U48967. Date 6-1-10

Title - AA GAYEE BAHAAR.

Creator - Bais. Sudpad Aldasah; Mutarjum Kewal Soo.

Publisher - Star Pocket Book Dipo (Delhi).

Date - 1985.

Pages - 160.

Subject - Americi Novel - Urdu Tarajum; Americi Adab - Novel.

A bore book. SAkray.

سٹار پاکٹ سیریز---۲۲۴

آ گئی بہار

مصنف

بیس سٹریٹر آلڈریچ

مترجم

کیول سُوری

Urdu Translation of
"SPRING CAME ON FOREVER"
by Bess Streeter Aldrich

ستارہ پبلیکیشنز
۲۷۱۵ - دریا گنج دہلی

قیمت ------- ایک روپیہ

سول ایجنٹس
پنجابی پستک بھنڈار
دریبہ کلاں دہلی

مطبع : شوکت لیتھو پریس دہلی ۶

گذر رہے ہیں سال، رواں ہے سیلِ زمانہ
لیکن میرے ذہن میں اب تک نقش ہیں دھندلے...
آدمی اک روشن مشعل ہے آج، مگر کل؟
اس کی جگہ آتا ہے نظر اک راکھ کا تودہ
زیادہ حرارت سے لے کے مئی اور جون آتے ہیں!
اس کے بعد آتا ہے ٹھٹھرا، مردہ دسمبر!
مردہ دسمبر — اور وہی پھر جون کا دورہ
میرے گڈمڈ خیالوں کے الجھے دھاگوں کو
کون آکر سلجھائے گا، الجھن دور کرے گا؟
زندگی اک کرگھا ہے جو بنتا رہتا ہے
ہر ہر لحظہ جال سرابوں کے، خوابوں کے

لیکن

میرے الجھے اور گڈمڈ ذہن پر...
نقش ہے واضح مگر اک بات کا
"آ گئی آخر بہارِ جاوداں'
آ گئی آخر بہارِ جاوداں"
جیسے بلبل گیت یہ گاتی رہی ——

(واشل لنڈسے)

(ایک (۱))

یہ کہانی ان دو گھرانوں اور ان عجیب و غریب حالات کی ہے جن میں ان کی راہیں ایک دوسرے سے جا ملیں۔ یہ داستان [illegible]ء میں شروع ہوئی اور اس کا اختتام ۱۹۳۵ء میں نیبراسکا میں ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ حقیقی معنی میں نہ تو کسی خاندان کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور نہ انجام، ابتدا اور ماحصل کا سلسلہ تو زمان و مکان کی بیکراں وسعتوں میں پھیلا ہوتا ہے۔

یہ کہانی اپنے آپ میں مکمل نہیں ہے کیونکہ یہ تو زندگی کا محض ایک باب ہے جو کچھ گذر چکا ہے اور جو کچھ ہونیوالا ہے، اس تمام زمانی تسلسل سے اسے اخذ کیا گیا ہے۔

۱۸۶۶ء میں میتھیاس مشر اکیس برس کا ہوگیا تھا۔ اس دراز قد اور تندرست و توانا نوجوان کے سارے جسم پر صرف ایک (؟) داغ تھا اور یہ اس کے بائیں بازو کے اوپری حصے پر تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا یہ سرخ داغ اس دن کی یادگار تھا جب وہ سول وار میں آخری بار لڑا تھا۔

جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ اپنے دفتر کے ایک کونے میں پڑی ہوئی میز پر بیٹھا تھا۔ یہ دفتر اس کے چچا کے لوہے کے کارخانے کا تھا۔

میتھیاس اچھل کر چھکڑے کی طرف بڑھا تاکہ اسے نیچے اترنے میں مدد دے سکے۔ "کتنا سہانا دن ہے۔" اس نے کہا۔

لڑکی نے پرمسرت انداز سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مرغزار کے لوے پہ جھک رہے ہیں اور ہواؤں میں بہار کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔"

وہ بالکل سچ کہہ رہی تھی۔ نوجوان کو پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ مرغزار کے لوے جھک رہے تھے اور فضا میں بہار کی مہک بسی ہوئی تھی۔

نوادر کار خانے کے اندر بڑے طمطراق سے اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ جب بھی اس نے کسی چیز کی قیمت پوچھی، میتھیاس کا جواب سن کر یہی کہا۔ "یہ تو بہت زیادہ ہے۔" یا "اتنی قیمت! کیا کہتے ہو؟"

میتھیاس نے لڑکی کے چہرے کی رنگت کو سرخ ہوتے دیکھا اور اسے اس کی ذہنی الجھن سے چھٹکارا دلانے کی انتہائی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس نے انھیں ایک خاص کیتلی دکھائی۔ "یہ کیتلی میں نے خود بنائی ہے۔" اس نے دھیرے سے لڑکی کو بتایا۔ "ویسے عام طور پر کیتلیاں میرے چچا بناتے ہیں۔"

کیتلی بہت بڑی اور بے عیب تھی۔ "یہ لاجواب ہے۔" لڑکی نے کہا۔

میتھیاس نے لڑکی کی طرف دیکھا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ خود بھی تو لاجواب ہے۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ اسی کیتلی کا انتخاب کریں۔"

لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں کے کونوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

[illegible]

کی جس کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہ آسکی۔

جب سٹالز نے کیتلی کی قیمت پوچھی تو اس نے اپنے چچا کی مقرر کی ہوئی قیمت سے بہت کم دام بتلائے، حالانکہ قیمت کیتلی پر لکھی ہوئی تھی۔

سٹالز نے ایک بار پھر کیتلیوں کا جائزہ لیا اور دفعتاً بلند آواز سے کہا۔ "یہی ٹھیک ہے۔"

میتھاس نے فوراً لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسکی طرف دیکھ کر کچھ اس طرح مسکرائی جیسے اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گئی ہو۔ الفاظ کی مرہونِ منت ہوئے بغیر وہ اس سے کہہ رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ یہ کیتلی تم نے بنائی ہے" میتھاس نے بھی لفظوں کا سہارا لیے بغیر جواب دیا۔ "اگرچہ میں نے تمہیں اس وقت تک کبھی نہ دیکھا تھا پھر بھی یہ کیتلی میں نے تمہارے ہی لیے بنائی تھی" یہ خاموش پیغام الفاظ ہی کی طرح واضح تھے۔

ولہیم سٹالز نے رقم گن کر دی، لوہے کی وہ بڑی سی کیتلی اٹھائی اور بولا۔ "چلو امالیا، اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

"تو تمہارا نام امالیا ہے؟" میتھاس نے پوچھا۔ "اس میں تو...
... اس میں تو موسیقی کا سا ترنم ہے۔ کہاں رہتی ہو تم؟"

"وشال بن کے اس طرف ——— آلوچوں والی ندی کی سڑک کے پاس.... لیکن ———"

لیکن کیا امالیا؟ بتاؤ نا ——— اس سے پہلے کہ تم کوئی ایسی شے لے جاؤ جو تمہیں قبول نہ ہو [illegible]

لیکن امالیا نے جملہ مکمل نہ کیا۔۔۔

اسی کا نام زندگی ہے۔ اگر ولیم سٹالزکسی اور دکان پر چلا جاتا یا اگر امالیا اپنا جملہ مکمل کر دیتی تو شاید آنے والی نسلوں کی داستان اور ایک ریاست کی تاریخ مختلف ہوتی۔

زندگی ایک ایسا کرگھا ہے جس پر ہر وقت خوابوں کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔

"سٹالز گھرانے کا ایک شخص اور اس کی بیٹی یہاں آئے تھے۔" میتھاس نے اپنے چچا کو بتایا۔

"وہ یقیناً ولیم سٹالز ہوگا یہ لوگ لوتھر مذہب کے پیروکار ہیں۔"

آلو جوان والی ندی کے پاس امالیا اور اس کا والد چھکڑے میں اپنے فارم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ باپ جب بھی کچھ کہتا، امالیا فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتی کیونکہ وہ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا تھا جو اس کے اپنے خیال کی تائید نہ کرتی ہوں۔ لیکن امالیا تو اپنے ہی خیالوں کی دنیا میں گم تھی۔ اس کا ذہن اس سے بار بار یہ سوال کر رہا تھا کہ آخر وہ خوبرو نوجوان یہ کیوں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے۔

سٹالز گھرانے کا فارم سے ملحق مکان چھوٹا سا ہی سہی تاہم اتنا ہی صاف ستھرا اور چمکدار تھا جتنا سپید رنگ و روغن کی مدد سے کوئی بھی مکان ہو سکتا ہے۔ سوروں اور مرغیوں کے لیے باڑ بنی ہوئی تھی۔ دھوپ میں چمکتے ہوئے دودھ کے صاف ستھرے برتن الٹے پڑے سوکھ رہے تھے ایک طرف جھاڑیوں پر رسوئی گھر میں استعمال ہونے والے کپڑے سوکھ رہے تھے جنھیں ابھی دھویا گیا تھا یہ بڑا

خوشنما سا گھر تھا۔ اُن تبدیلیوں کے خیال سے، جو جلد ہی ہونے والی تھی امالیا اداس ہو گئی اس نے کھانا پکایا اور پھر اس کا والد، اس کا پندرہ سالہ بھائی فرٹنر اور وہ دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ اس وقت جب اسکا والد فارم کے مویشیوں کے متعلق باتیں کر رہا تھا، یا فرٹنر کو اگلے دن کے کام بتا رہا تھا، امالیا کے خوبصورت سر میں ایک بار پھر خیالوں کے قافلے بھٹکنے لگے۔

اگلے دن اتوار کو میتھیاس میٹر نے اپنا بہترین سوٹ پہنا، چچا کے زین کسے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوا اور آلوچوں والی ندی اور وشال ین کی طرف چل پڑا۔

۲
دو

میتھیاس میٹر کے لیے گھوڑے کا یہ سفر طویل لیکن خوشگوار تھا قصبے سے ہوتی ہوئی سڑک دریا کے پل پر جا نکلتی تھی جس کے نیچے مٹیالا پانی سر پٹختا رہتا تھا، جیسے غصے میں ہو۔ پھر یہ میدانی علاقے سے ہوتی ہوئی دلدلی خطے میں چلی جاتی تھی اور وہاں سے وشال ین کی طرف مڑ جاتی تھی۔

گھوڑے پر سوار میتھیاس دل ہی دل میں اس عجیب و غریب قوت کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کے اس سفر کا محرک ہوئی تھی۔ اسے احساس تھا کہ یہ سراسر حماقت ہے، لیکن وہ آگے بڑھتا گیا۔

درخت اب کہیں کہیں نظر آ رہے تھے۔ جھاڑیاں بھی ویسی گھنی نہیں تھیں وہ جنگلی پھلوں والے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھا اور وہیں ایک کھلے میدان میں وہ لڑکی کھڑی تھی۔ وہ پگڈنڈی کی طرف رخ کیے کھڑی تھی اور اس کا ہاتھ اس کے گلے پر تھا۔ آج وہ ننگے سر تھی۔ اس کے ہلکے زرد بال دھوپ میں سنہری تاج ایسے لگتے تھے۔

"تسلیم۔" وہ جرمن زبان میں بولی۔ "میں بہار کے پہلے خود رو پھولوں کی تلاش میں آئی تھی۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے اپنا چھوٹا سا کمزور ہاتھ میتھیاس کے مصافحہ کے لیے پھیلے ہوئے ہاتھ کی طرف بڑھایا۔

"کیوں؟" اسکی آنکھوں کی گہری نیلی جھیلوں کو دیکھ کر ایک بار پھر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ "مجھ پر تو پورے ہفتے تمہارا ہی خیال چھایا رہا۔"

"مجھے آپ کو بتا دینا چاہیے تھا کہ میری منگنی ہو چکی ہے۔"

"تمہاری منگنی ہو چکی ہے؟ اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ کون ہے وہ؟"

"میرے والد کا ایک دیرینہ دوست۔ لیکن وہ میرے والد کی عمر کا نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ میرے والد اور میرا بھائی اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"ممکن ہے اگر تمہاری ماں............"

"مجھے آپ کے ساتھ یوں کھڑے ہو کر باتیں نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ میری منگنی سولہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ کچھ ہی دن کے بعد اٹھارہ سال کی ہو جاؤں گی۔" لیکن اس کا ہاتھ جیسے کسی

اور کو سونپنے کا وعدہ دو برس پہلے کیا جا چکا تھا! اب میتھیاس میٹر کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"کہاں رہتا ہے وہ؟" میتھیاس نے پوچھا۔

"وہ ہمارے فرقے کے لوگوں کے لیئے زمینوں کی تلاش میں کچھ لوگوں کے ساتھ نیبراسکا گیا ہے۔ ان کے لوٹتے ہی ہم یہاں سے چلدینگے۔"

میتھیاس کی آنکھوں میں دمکتی ہوئی امیدوں کی جوت جیسے بجھی گئی۔

"آپ بہت دور سے آئے ہیں۔ شاید آپ کچھ دیر اپنی کیتلی کے پاس بیٹھ کر سستانا پسند کریں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

میتھیاس نے کیتلی کی طرف دیکھا جو راکھ کے اوپر لٹکی ہوئی تھی۔

"تو تم نے اسے استعمال کرنا شروع کر دیا؟"

"ہاں۔ ہم نے صابن بنا لیا تھا۔ ہم نے اتنا صابن بنا لیا ہے کہ اس طویل سفر میں ــــ بلکہ اس کے بعد بھی سال بھر کے لیئے کافی ہوگا۔"

میتھیاس اس کے پاس ایک شہتیر پر بیٹھ گیا۔ "وہ شخص ــــ ــــ تمہیں تو اس سے پیار نہیں؟"

"میں اسکا احترام کرتی ہوں اور وہ میرے والد کا کہنا ہے کہ پیار اور احترام میں کوئی فرق نہیں۔"

میتھیاس اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تمہارے والد سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔ ان سے ملکر آپ کو خفگی اور دکھ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ انھیں تو پتہ بھی نہیں چلنا چاہیئے کہ تم یہاں آئے ہو۔"

میتھیاس پھر بیٹھ گیا۔ "تم نیبراسکا کیوں جا رہی ہو؟"

ہم تو تھر مذہب کے پیروکار ہیں۔ یہاں ہمارے فرقہ کے

لوگوں کے فارم ایک دوسرے سے بہت دور دور ہیں۔ بہتر اسکا
میں ہم لوگ پاس پاس رہ سکیں گے۔ اپنے رسم و رواج زندہ رکھ
سکیں گے، اپنی زبان اور اپنے مذہب کو باقی رکھ سکیں گے میرے والد
کہتے ہیں کہ صرف لوتھر مذہب کے پیروکار ہی راہ راست پر ہیں۔
ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات نہیں
بڑھانے چاہئیں۔ دو شادیاں تو پہلے ہی برادری سے باہر ہو چکی ہیں۔"
شہتیر پر بیٹھے بیٹھے لڑکی نے اسے وہ منصوبے بتائے جو انہوں
نے سفر کے بارے میں بنا رکھے تھے۔ "اگر تم اس شخص سے پیار
نہیں کرتیں ....؟"

"لیکن میری اس سے منگنی ہو چکی ہے۔" اس نے جواب دیا۔
اب سردی ہو گئی تھی "تمہیں اب جانا چاہیئے ایمالیا" میتھیاس
نے کہا۔ "اگلے اتوار کو مجھ سے یہیں ملنا۔ اگر تم نہ آئیں تو میں سیدھا
تمہارے گھر آجاؤں گا!"

"میں آجاؤں گی" وہ بولی "لیکن یہ ٹھیک نہ ہوگا" تاہم گھر کی
طرف بڑھتے ہوئے اس نے گردن گھما کر میتھیاس کی طرف دیکھا اور
مسکرا دی۔

اگلے اتوار کو سردی کم تھی۔ وشال بن کو جیسے بہار کی آمد کا علم

ہو گیا تھا۔ آسمان پر پرندے اڑ رہے تھے۔ باڑ پر بیٹھا ہوا کوئی مرغزار کا لوا پیار بھرا گیت گا رہا تھا۔

گھوڑے پر سوار میتھیاس جب درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلا تو اسے میدان میں امالیا دکھائی دی۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ اچھل کر گھوڑے سے اترا اور بازو پھیلاتے ہوئے لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ خوف سے کانپتی ہوئی امالیا بھی بغیر کچھ کہے اس کے قریب آنے کا انتظار کرتی رہی ـــــ میتھیاس نے اسے اپنے بازوؤں میں لپیٹ کر اپنے ہونٹ اسکے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ اسکے بعد بھی ایک طویل لمحہ تک دونوں خاموش رہے۔

"تم ہر وقت میرے ذہن پر چھائی رہتی ہو" اسکی آواز لڑکھڑا گئی۔

"میں بھی تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہی ہوں"

"تمہیں اپنا وعدہ توڑ دینا چاہیے امالیا"

"اسوقت تو میں اسے توڑ ہی رہی ہوں میتھیاس"

"محبت اسی کا نام ہے" میتھیاس نے جواب دیا۔

"ہاں" امالیا نے کہا "اب یہ بات میں جانتی ہوں پورے ہفتے مجھے اس کا احساس ہوتا رہا ہے"

"جب تمہارے یہاں کے لوگ وہاں چلے جائیں گے جہاں انہیں حکومت کی طرف سے معافی کی زمین ملنے والی ہیں تو تم یہیں میرے پاس رہو گی نا؟"

"مجھے ڈر ہے کہ ہمیں کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن میں یہیں رہونگی"

پھر وہ اس نئی (وہ ان کے لیے نئی سہی مگر تھی تو بہت پرانی) کشک کے بارے میں باتیں کرتے رہے جیسے وہ دونوں اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے اور سہ پہر چپکے سے بیت گئی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے یہ بہار صرف ہمارے ہی لیے آ رہی ہو" امالیا بولی۔

"بہاریں تو آتی ہی رہیں گی میری ننھی فاختہ ——— آنے والی ہر بہار ہمارے ہی لیے ہوگی۔ ہم زندگی بھر ایک ساتھ ان سے محظوظ ہوتے رہیں گے"

"اس وقت بھی جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے؟"

میتھیاس اسکی بات سنکر ہنس دیا ——— جوانی پر بھی کہیں بڑھاپا آتا ہے؟"

وہ اسے اپنے والد سے بات چیت کرنے کے لئے گھر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ ایسے خوبصورت دن کو ضائع کرنے سے فائدہ؟

اگلے اتوار کو وہ اس کے لیئے ایک تحفہ لایا۔ یہ ایک چھوٹا سا سینے پرونے کے سامان کا صندوقچہ تھا جس پر عجیب و غریب سے گھونگے جڑے تھے۔ یہ گھونگے ایک سمندر سے نکالے گئے تھے جو انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس بیش بہا خزانے کو پاکر امالیا کی مسرت کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ والد سے ملاقات کی اس نے اس بار بھی اجازت نہ دی۔

اس سے اگلے اتوار کو ولہیم سٹالز گھر پر نہیں تھا۔ اسکی غیر موجودگی نے امالیا کو آزادی کا روح پرور احساس بخشا تھا کہ وہ

گھوڑے پر سوار جنگل کی طرف بڑھتا ہوا ایتھیاس دفعتاً رک
کر مڑا تاکہ اس کا آخری دیدار کر سکے۔ راستہ بھر اسکے ذہن پر امالیا
کی تصویر چھائی رہی۔ امالیا...... پیڑوں پودوں کی تازہ ہریالی
کے پس منظر میں نیلے گلابی اور سنہری رنگوں سے بنا ہوا اسکا
سراپا ___ وہ تو خود مجسم بہار تھی اسکی ننھی فاختہ!

چار

اس طویل ہفتے کے ابتدائی دنوں میں ہلکی ہلکی بارش اور دھوپ
کی وجہ سے موسم بڑا خوشگوار رہا لیکن جمعرات کو طوفان شروع ہو
گیا جمعہ کو سارا دن بارش ہوتی رہی۔ جنگل اور گیاہستان جل تھل
ہو گئے۔ یہ سلسلہ جمعہ کی رات، سنیچر کے دن اور رات تک جاری
رہا۔ دریا کا پل ٹوٹ گیا اور سیلاب کا پانی وادی میں پھیل گیا۔

دن بھر ایتھیاس امالیا کے پاس پہنچنے کی تدبیریں سوچتا
رہا۔ لیکن دریا یا تو بپھرا ہوا رہا یا اس کا پاٹ اتنا چوڑا رہا کہ اسے
پار کرنا ممکن نہیں تھا۔

لیکن اگلے اتوار کو وہ دریا پار کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔
اسی دن اسے امالیا کے والد سے ملنا تھا۔ ممکن ہے واپسی
میں امالیا بھی اسکے ساتھ ہو۔ کچھ بھی ہو اس دن اس نے بات
کرنے ارادہ کر رکھا تھا۔

اسی دن وہ میدان میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ گھر کی طرف چل
پڑا۔

دفعتاً وہ رک گیا۔ خلافِ معمول آج وہاں کیتلی بھی نہیں لٹک رہی تھی۔ انجانے سے ایک خوف کی لہر اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ وہ نارم کے مکانوں کی طرف بھاگا۔ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اسے ایک لڑکا ملا۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں یہ آپ کو دیدوں"۔ ہیتھیاس کے ہاتھ میں ایک چھٹی دیتے ہوئے لڑکے نے کہا۔ ایک لفظ پڑھے بغیر وہ جان گیا تھا کہ یہ چھٹی اسے غموں کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکے گی۔ بدقت تمام اس نے وہ عبارت پڑھی جو جرمن زبان میں لکھی تھی۔

"ہمارے قریے کے لوگوں کے چھکڑے تیار ہیں...... طویل سفر...... نئی دھرتی...... ان لوگوں کا خط آیا تھا...... انہیں تیرا اسکاسٹی ملیں...... وہیں میری شادی ہوگی"۔

ہیتھیاس کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ پھر لڑکے نے جو اسے غور سے دیکھ رہا تھا، اس کو ایک اور خط دیا۔ یہ بہت عجلت میں تہہ کیا گیا تھا۔ اس پر آنسوؤں کے دھبے تھے۔

"ہیتھیاس...... میرا یہ بے رحم خط...... میرے والد کا حکم...... میں کئی بار اپنے آپ سے پوچھ چکی ہوں کہ جب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا ہم ملے ہی کیوں...... شاید یہی مناسب ہو گا کہ ہم بہار کے ان لمحوں کو جو ہماری محبت کے امین ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دل میں محفوظ کر کے صبر کر لیں...... تشبیہ کی چادر کے ٹکڑے...... یہ چادر تمہارے بغیر کبھی مکمل

نہیں ہو سکے گی۔ ۔ ۔ ۔ یہ ٹکڑے صندوقچے میں پڑے رہیں گے۔ ۔ ۔ ۔
میرا خیال ہے میرا دل بھی وہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"وہ کس روز گئے تھے؟" میتھیاس نے لڑکے سے پوچھا۔
"بدھ کو انہیں گئے ہوئے دو ہفتے ہو جائیں گے۔"

تو وہ اس اتوار سے اگلے بدھ ہی کو چلے گئے تھے جب اس نے انہیں آخری بار میدان میں کھڑے دیکھا تھا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں ادھر اٹھ گئیں ایک لمحہ کے لیے وہ اسے وہاں کھڑی دکھائی دی لیکن دوسرے ہی لمحہ غائب ہو گئی۔

وہ اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا رہا۔ ہر قدم پر اسے گیلی دھرتی سے سوندھی سوندھی سی خوشبو آ رہی تھی مرغزار کے پودے کا گیت فضا میں مچل رہا تھا۔ چلی گئی۔ ۔ ۔ اماالیا چلی گئی۔ ۔ ۔ طویل و عریض شہر آباد مغرب میں۔ ۔ ۔ ۔ شادی کے بندھن میں بندھنے کے لیے۔

ایک کے بعد دوسرا جذبہ ویسی ہی تندہی سے اس کے ذہن سے ٹکرا رہا جیسے سیلاب کا پانی نشیبی حصوں کی طرف بڑھتا تھا۔ اسے کھو دینے کا جان لیوا احساس۔ ۔ ۔ ۔ حیرت۔ ۔ ۔ غصہ اپنے آپ پر کہ وہ دریا نہیں کر سکا تھا۔ تلملاہٹ اپنے خدا پر جس نے سیلاب بپا کیا تھا، اپنے باپ پر جو جابر تھا، مذہب کی تنگ نظری پر اور لڑکی کی کمزوری پر ۔۔۔۔

یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم سے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس کے بدن میں طاقت بالکل نہیں رہی تھی۔ وہ گیلی زمین پر ڈھیر پڑا ہوا۔

اسکی ننھی فاختہ ـــــ اب وہ اسے کبھی اپنے بازوؤں میں نہیں لے سکے گا۔ کبھی نہیں! وہ اوندھے منہ لیٹ گیا غم اور غصے کے ملے جلے احساس سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مرغزار کا لوا گانا رہے۔ اسے کیا؟

دفعتاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ اٹھا اور اس نے ہاتھ سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ امالیا کی شادی اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک یہ چھکڑے نیبرا سکا سٹی میں نہ پہنچ جائیں۔ انہیں وہاں پہنچتے پہنچتے کم از کم چار ہفتے لگ جائیں گے۔ اور انہیں گئے ہوئے ابھی صرف بارہ دن ہی ہوئے تھے۔

شہر دریائے مسوری کے کنارے سیکڑوں میل دور الی نائیس اور الیوا کی ریاستوں سے گذر کر آتا تھا۔ سفر بہت لمبا تھا۔ یہ شہر نئے ملک میں داخل ہونے کا مرکزی دروازہ بن گیا تھا۔ یہ نئی نسل کے ملک کا نقطۂ آغاز تھا۔ ان کی دولت کمانے کی امیدوں کا سرچشمہ تھا۔ سینکڑوں نوجوان اپنی قسمت آزمانے کے لیے یہاں آچکے تھے۔ یہ آتی ان دیکھی دھرتی اسے بھی بلا رہی تھی۔ یوں تو وہ اسے اسوقت سے ہی بلا رہی تھی۔ جب وہ امالیا سے ملا بھی نہ تھا۔ اب اسے اس بلاوے کا جواب دینا ہی پڑے گا۔

کاش وہ چھکڑوں کے پہنچنے سے پہلے نیبراسکا سٹی پہنچ جائے!

وہ اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا ـــــ

۵
پانچ

لوتھرن معافی داروں کے لیے الی نائیس سے الیووا تک
کا سفر بے حد تھکا دینے والا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ سفر کبھی ختم
نہیں ہوگا وہ کئی ہفتوں سے ناہموار پگڈنڈیوں پر چل رہے تھے۔
چھکڑوں کے مسلسل جھٹکوں سے کچھ عورتوں کی طبیعت بھی
خراب ہوگئی تھی۔

دن بھر کیا ہستانی چھکڑے دھیرے دھیرے مغرب کی طرف بڑھتے
رہتے۔ رات کو یہ لوگ الاؤ جلا کر اسکے گرد ایک بہت بڑا دائرہ بنا کر بیٹھ
جاتے۔ ان کے گھوڑے اور مویشی اس دائرے کے اندر ہوتے۔
الیووا میں قبائلیوں کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن نیبراسکا کے بارے میں
انہیں یہ یقین تھا۔ پچھلے چھ برس میں قبائلیوں نے مشرقی حصے میں
کوئی واردات نہیں کی تھی لیکن کون جانے یہ سلسلہ پھر کب شروع ہو جائے۔

اپنے دو چھکڑوں میں سے ایک میں اپنے بھائی کے پہلو میں
بیٹھی ہوئی امالیا سوچ رہی تھی کہ اس سے پہلے تو پگڈنڈی اتنی
خراب نہیں تھی۔ ان کا سامان نہایت احتیاط سے بندھا ہوا
تھا پھر بھی چیزیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ صابن بنانے
والی کیتلی جسکا پیندا گول اور بے عیب تھا آگے پیچھے جھول رہی
تھی۔

مرد دریائے مسوری یعنی شمال دلدل کو دیکھنے کیلیے

مضطرب تھے جہاں انہیں چند دنوں بعد ہی پہنچ جانا تھا۔ لیکن امالیا کو اس میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ یتھیا اُس سے جدائی کے بعد کے دن اس کے تصور میں اسپر دوبارہ بیت رہے تھے۔ ایسے دن جن کی یادوں کے ناسور اس کے ذہن میں ہمیشہ رستے رہیں گے۔

جب اس کا والد دروازے پر آیا تو وہ شجر حیات کے نمونے والی چادر بنا رہی تھی ——— "ایک نئی خبر سنو امالیا!"

"خبر ——؟" اسکے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے اور اس نے اپنی چادر چھپا لی۔

"وہ لوگ واپس نہیں آئیں گے۔ پنبرا سکاسٹی کے مغرب میں کئی میل دور انہوں نے ہمارے لیئے بہت اچھی زمینیں.... ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں اور وہیں ان سے ملیں گے" پھر اس نے چلا کر کہا تھا "سب سے پہلے میں نے یہ خبر تمہیں سنائی ہے"

"ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں؟" اس نے سرگوشی کے سے انداز میں اسکی بات دہرائی تھی۔

"آج میں سب کو حکم دے دوں گا۔ فرنٹز گھوڑے پر بیٹھ کر یہ خبر ہمارے فرقہ کے سبھی گھروں میں پہنچا دیگا۔ ہماری روانگی اسی طرح ہوگی جسطرح فوج حکم پاتے ہی کوچ کر دیتی ہے۔ اپنے حصے کا کام تو تم جانتی ہی ہو۔ میرا مطلب ہے تمہیں زیادہ کھانا پکانا پڑے گا۔ پھر سامان باندھنا ہوگا۔ غلہ اور بیج کے لیئے محفوظ اناج کو جھکڑوں میں لادنا تھا کام فرنٹز کا ہے ہم لوگ بلا

کی صبح کو روانہ ہو جائیں گے۔"

خوف سے کانپتے ہوئے اس نے اپنے والد کو یہ بتانے کی کوشش کی تھی "میں نہیں جاؤں گی ابا جان۔ میں اب ہرمن ہومز ڈارفر سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں کہوں کہ وہ نوجوان جس سے ہم نے کیتلی خریدی تھی مجھ سے پیار کرتا ہے۔ اور میں بھی۔۔۔۔"

"اس سے پہلے کہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالوں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔"

"میں بھی اس سے پیار کرتی ہوں اباجان۔ بے حد پیار کرتی ہوں۔" "بیوقوف لڑکی!" وہ چیخا۔ پھر وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ الفاظ کے کوڑوں سے اس نے اسے ادھ موا کر دیا۔ وہ اسوقت تک بکتا رہا جب تک اس نے اسکے ہر حکم کی تعمیل کا وعدہ نہ کر لیا۔

لیکن اس کے باوجود اس نے میتھیاس کو دوسرا خط لکھا تھا۔ یہی نہیں وہ کیونکہوں والا صندوقچہ اسوقت بھی جھگڑے میں پڑا تھا۔

"یہ کیا لائی ہو؟" جب وہ اسے گھر سے لیکر نکل رہی تھی۔ تو اس کے والد نے پوچھا تھا۔

"تازہ روٹی ہے" اس نے جھوٹ بول دیا تھا۔ اگر اس جھوٹ کے لیے خدا نے اسے معاف نہ بھی کیا تو اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

امالیا اور فرٹز کے درمیان پہلی بار امالیا کے کرب کا ذکر آیا۔

"کیا تم بہت مغموم ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں اب میں خوشیوں کا منہ زندگی بھر نہیں دیکھ سکوں گی فرٹز۔"

اس نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "بری بات ہے تمہیں یوں اداس نہیں ہونا چاہیے۔ تم اتنی خوبصورت ہو۔ میں اور ابا جان دونوں مل کر کام چلا سکتے ہیں۔ میں بھی تو اب بڑا ہو گیا ہوں۔" امالیا بلک بلک کر رونے لگی۔ ایک طرف اس کے کمسن بھائی کو اسکی ضرورت تھی اور دوسری طرف اس عاشق کو۔ گھر تھا اسے ایک طرف کھینچ رہا تھا اور رسیتھیاس دوسری طرف، فرض کچھ اور چاہتا تھا اور محبت کسی اور چیز کی طلبگار تھی۔ آخر خدا نے ایسے غم کیوں نازل کیے تھے دنیا والوں پر؟

کچھ دیر رو دھو لینے کے بعد اسے کچھ سکون ہوا "ایک راز کی بات بتاؤں فرٹز۔ ممکن ہے وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا ہمارے پیچھے آ جائے۔"

"تم تو ان ہونی بات کی توقع کر رہی ہو۔"

"وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ اسکی محبت بھی ایسی ہی تھی۔"

"کاش تمہاری بات سچ ہو جائے۔ کاش وہ آ ہی جائے۔"

امالیا نے پیچھے مڑ کر حدِ نظر تک پھیلے ہوئے وسیع [illegible] کو دیکھا۔ ان کے پیچھے کراتز گھرانے کے تین چھکڑے اور [illegible] گھرانے کے دو چھکڑے آ رہے تھے۔ [illegible]

چھکڑے گیارہ دن گھر استے کے تھے۔ چار چھکڑوں میں بیل جتے تھے۔ اور تین میں گھوڑے۔ ہر چھکڑا، ہر بیل، ہر گھوڑا ان کا جانا پہچانا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسکی دنیا بس یہی تھے اور کچھ نہیں ———

۵
پانچ

ہیتھیاس پریزیڈنٹ لوئیس میں دریا کے پاس کھڑا تھا۔ وہاں سینکڑوں کی تعداد میں دخانی کشتیاں موجود تھیں۔ کچھ آرہی تھیں، کچھ جا رہی تھیں۔ انہیں کشتیوں میں سوری کوین بھی کھڑی تھی جس میں اسے وشال دلدل تک کا سفر طے کرنا تھا۔

اسے یقین تھا کہ خشکی کے راستے سے جانیوالے مسافروں کی رفتار اس کی رفتار سے کہیں سست ہو گی۔ گیباہی چھکڑے ایک دن میں زیادہ سے زیادہ سولہ میل کا سفر طے کر سکیں گے۔ رات کو انہیں لمبے وقفے کے لیئے رکنا پڑے گا۔ بارشیں بھی ان کی راہ میں مزاحم ہوں گی۔

لیکن بارشیں دخانی کشتی کو نہیں روک سکیں گی۔ گیباہی چھکڑوں کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ کشتی وشال دلدل میں پہنچ جائے گی اور اسے نیبر اسکا سٹی اتار دے گی۔ اگر ایک بار وہ اما لیا سے مل لیا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے اس سے دور نہیں کر سکے گی۔

اسے اس بات پر ندامت ہو رہی تھی کہ وہ جنگل میں بیٹھ کر روتا کیوں رہا تھا، جب کہ اس تمام وقفے میں وہ کچھ نہ کچھ کر سکتا تھا۔
مسوری کوین بڑی خوبصورت کشتی تھی۔ اس پر سفید روغن حال ہی میں کیا گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ کشتی تو سالگرہ کے ان کیکوں ایسی ہے جو اسکی چچی نے بنائے تھے۔ پھر وہ اس خیال پر مسکرا دیا۔ کشتی تقریباً دو سو فٹ لمبی اور پینتیس فٹ چوڑی تھی۔ اسکا پیندا چپٹا سا دکھائی دیتا تھا۔ دریا کی لہروں پر دھیرے دھیرے ہچکولے کھاتی ہوئی یہ بڑے ناز سے چلتی تھی۔
یہ کشتی دخانی پہیے سے چلتی تھی۔ اس کے دونوں طرف انجن لگے تھے۔ ان کے علاوہ اور مشینیں بھی تھیں جن کا کام یہ تھا کہ اگر کشتی دریا کی تہہ میں حرکت کرتے رہنے والے ریت کے تودوں میں پھنس جائے تو اسے کھینچ کر نکالا جا سکے۔
"یہ بوڑھا دریا لڑکیوں کی طرح رنگ بدلنے والا مزاج رکھتا ہے" جہاز پر کام کرنے والے ایک مزدور نے اسے بتایا۔
"تاخیر بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ میں جلدی سے جلدی نیبراسکا سٹی پہنچنا چاہتا ہوں" میتھیاس نے کہا۔
"بہتر جناب" اس مزدور نے جواب دیا "میں آپ کا حکم دریا تک پہنچا دوں گا"
سیٹیوں، گھنٹیوں، دخانی پہیے کی آواز، گیتوں، ہچکیوں اور الوداعی فقروں کے ملے جلے شور میں کشتی روانہ ہو لی۔ میتھیاس کے ذہن میں وہ غم کی پرچھائیاں ابھرنے لگیں جو الی نائیس سے روانہ ہوتے وقت اس نے اپنے چچا اور چچی کے چہرے پر دیکھی

تھیں ـــــ لیکن دوسرے ہی لمحے دریا کو دیکھ کر اسکے خون میں گرمی دوڑ گیئی۔

یہ ایک حقیقی سفر تھا۔ اس کے دل نے ولولے کے ساتھ کہا، بڑھے چلو ایک نئے ملک کی طرف ـــــ زندگی کے ایک نئے آغاز کی جانب! بڑھے چلو نیبراسکا سٹی کی طرف، تاکہ وہاں لوتھرن آبادکاروں سے پہلے پہنچ سکو!

کشتی میں وہ شاید واحد آدمی تھا جسکا کوئی دوست اسے خدا حافظ کہنے کے لیئے وہاں موجود نہیں تھا۔ ایک اور بھی تھا ـــــ دھوپ سے سنولائے ہوئے چہرے والا یہ نوجوان میتھیاس کا ہم عمر ہی تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کٹہرے کی طرف بڑھے ـــــ

"پہلی بار جا رہے ہو؟" نوجوان نے میتھیاس سے پوچھا۔

"ہاں ـــ تم بھی پہلی بار جا رہے ہو؟"

"نہیں ـــ ایک بار دس برس پہلے بھی گیا تھا۔ اس وقت میں نو برس کا تھا۔ میری ماں بیوہ تھی۔ وہ ہمیں وشال دلدل تک لے گئی تھی کہ شاید ہمارا وہاں رہنے بسنے کا ٹھکانا بن جائے۔ ہم پلاٹس موتھ اترے تھے، ان دنوں وہاں صرف تین چار مکان تھے۔ ہم لوگ فرش پر سوئے تھے۔ صبح ہوتے ہی دروازہ کھلا۔ تین قبائلی ہمارے گرد آ کھڑے ہوئے اور ہمیں گھورنے لگے۔ میری ماں اسقدر خوفزدہ ہو گئی کہ اسے وہاں رکنے پر آمادہ کرنے کے لیئے ہمیں بہت جتن کرنے پڑے تھے ـــــ اتنا کہہ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا "میرا نام چارلی برگز ہے"

"میرا نام میتھیاس میڑ ہے۔ میں نیبراسکا سٹی جا رہا ہوں۔"

"گھوڑا لینے کے لیے میں بھی وہاں رکوں گا اور پھر گیا ہستان کے اس پار پلاٹس موتھ چلا جاؤں گا۔"

چارلی برگر نے میتھیاس کو بتایا کہ پلاٹس موتھ سے قریب ہی انہیں معافی کی زمین ملی ہوئی ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی اس پر کام کر رہے تھے۔ وہ خود زیادہ تر باہر ہی رہتا ہے عظیم پلیٹ ویلی، ایلخوان ویلی اور ریپبلکن کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتا تھا اور ان ہی کے متعلق وہ باتیں بھی کرتا رہا۔ اس نے اسے ان پگڈنڈیوں کے بارے میں بھی بتایا جو دریائے پلیٹ کے شمالی اور جنوب میں جاتی تھیں۔

نئے ملک کے بارے میں ہر قسم معلومات اس سے حاصل کی جا سکتی تھیں اسے معلوم تھا کہ مختلف وادیوں کی زمینیں کس لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دیسی پیڑ مثلاً کاٹن ووڈ، شاہ بلوط اور ایش کون سے علاقے میں بہتر طور پر اگائے جا سکتے ہیں۔ وہ قبائلیوں کے مختلف قبیلوں مثلاً پانیز، کیتھاکس، اری کا راڈ اور سیاکس کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا، ان کی عادات سے واقف تھا یہ بھی جانتا تھا کہ کون سا قبیلہ کہاں رہتا ہے۔

وہ ساری سہ پہر باتیں کرتا رہا۔ اس کی معلومات میتھیاس کے لیے حیران کن تھیں۔

" بھینسے کا شکار؟ درجنوں کے حساب سے کیا ہے بھائی یہیں، جہاں سے ہم اس وقت گذر رہے ہیں، بہت

بیٹھنے آیا کرتے تھے "

"قبائلی اب لوٹنگ نہیں کرتے ؟"

"نہیں چند برس پہلے البتہ ان کشتیوں کی حفاظت دن رات کرنی پڑتی تھی۔ دور مغرب میں سیاکس قبیلہ تو کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتا ہی رہتا ہے۔ لیکن پانیز کا رویہ اب دوستانہ ہے"

رات بھر کشتی بندھی رہی۔ ریت کے تودوں کے درمیان اندھیرے میں کشتی چلانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ میتھیاس کو ضائع شدہ وقت کا بے حد افسوس تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ خشکی کے راستے جانے والے مسافر بھی تو پڑاؤ ڈالتے ہی ہوں گے۔

کشتی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ بوڑھی عورتیں اور ان کے کتے، سوئے ہوئے بچوں کو اٹھائے ہوئے مائیں، کسان، نوجوان لڑکیاں، پورے کے پورے خاندان جو نئے ملک کو ہجرت کر رہے تھے اور بہت سے مجرد مرد ...... میتھیاس نے نوجوان لڑکیوں کی طرف سرد مہری سے دیکھا۔ ان میں سے کوئی ایسی نہیں تھی جس کا قد چھوٹا ہو، بال سنہرے اور آنکھیں نیلی ہوں۔

آنے والے دنوں میں کشتی کی رفتار بہت سست رہی کیونکہ اب وہ دریا کے بہاؤ کے خلاف جا رہے تھے۔ ساتویں روز کشتی قصبے میں مرمت کے لئے رک گئی۔ چارلی برگز دیکھ رہا تھا کہ میتھیاس کو یہ تاخیر بہت کھل رہی ہے۔ تاہم میتھیاس نے اسے اپنی جلدی کی وجہ نہیں بتائی کیونکہ برگز سے وہ اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ لیکن ان دو نوجوانوں میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں کہ وہ بہت جلد ایک

دوسرے کے دوست بن گئے۔ دونوں ہم جو ترقی کے اور زیادہ خواہشمند تھے اپنے مقاصد اور ان کے حصول کے معاملے میں دیانتدار تھے دونوں بےتکلف اور فراخ دل تھے۔

گیارہویں روز کشتی ایک اور قصبے کے پاس رک گئی۔ کشتی میں ایک بچے کی موت ہوگئی اسے اتار دیا گیا۔ ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس قصبے سے ایک نیا شادی شدہ جوڑا کشتی میں سوار ہوا۔ زندگی ایک کرگھا ہے جس پر خوشیوں کا تانا بانا بُنا جاتا ہے۔

یہ طویل سفر اب ختم ہونے والا ہی تھا۔

دونوں نوجوان نیبراسکا کے ساحل کو دیکھ رہے تھے۔ چارلی برگز اسے ان غلاموں کے قصے سنانے لگا جو اپنے مالکوں کے یہاں سے بھاگ کر یہاں آ بسے تھے۔ دفعتاً کچھ شور سنائی دیا اور پھر مسوری کوئن ایک بیزار کن جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

"ہم ریت کے تودے میں پھنس گئے ہیں" چارلی برگز نے اچھلتے ہوئے کہا۔

سات

مسوری کوئن کے ریت میں دھنسے پر حتمیاس پریشانی کی تصویر بنا نظر آتا تھا۔ "کتنی دیر رکنا پڑے گا؟"

"کون جانے" چارلی برگز نے، جو بچپن ہی سے دریا سے واقف تھا، جواب دیا۔

کشتی کو ریت کی پٹڑی سے باہر نکالنے کے لئے بہت سے جتن کیے گئے لیکن ہر روز یوں لگتا تھا جیسے یہ دریا کی دلدلی تہہ میں اور نیچے دھنس گئی ہو۔

چار طویل دن گزر گئے۔

غصے اور فکر سے میتھیاس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ ممکن ہے بیل گاڑیاں شہر رستا تک پہنچ گئی ہوں۔ وہ ہر ممکن رکاوٹ کے تصور سے جو بیلوں اور گھوڑوں کے راستے میں مانع ہو سکتی تھی، اپنے آپ کو تسلی دینے لگا۔ پہیے ٹوٹ سکتے تھے، مویشی ادھر ادھر بھاگ سکتے تھے۔ بارش کے بعد کیچڑ کا ہونا تو لازمی تھا اور ممکن ہے وہ لوگ رات کو جلد ہی پڑاؤ ڈال لیتے ہوں اور صبح دیر سے چلتے ہوں۔

پانچویں روز کشتی کو ریت سے نکال لیا گیا۔ لیکن اگلے روز وہ پھر ریت کی پٹڑی میں پھنس گئی۔

اب کی بار میتھیاس ناامید ہو گیا۔ اب کی بار اس نے چارلی برنز کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ اپنے عشق کی کہانی بھی سنا دی۔ وہ کسی سے اصطبل سے گھوڑا اتروا کر دریا کے ساتھ ساتھ چلتا جانا چاہتا تھا تاکہ ... پہنچ کر لڑکی کے راستے سفر جاری رکھ سکے۔ لیکن چارلی نے اسے سمجھایا کہ یہ سراسر حماقت ہو گی۔ یہ نصیحت دونوں نوجوانوں کی گہری دوستی کا باعث بن گئی۔ اس وقت انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان دوستی کا ایک ایسا اٹوٹ رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ جسے صرف موت ہی ختم کر سکتی تھی۔

اب کی بار انہیں زیادہ دیر نہیں رکنا پڑا۔ نہ صرف یہ بلکہ اسکے
بعد کوئی کم اور روح فرسا رکاوٹ پیش نہ آئی۔ یہاں سے چل کر وہ
ایک قصبے میں رکے جس کا نام براؤن ویل تھا۔ نیبراسکا سٹی کا یہاں
سے صرف چند گھنٹوں کا راستہ تھا۔

آٹھ ۸

الپو اناہی لمبی اونا ہموار پگڈنڈی کے آخری حصے پر گیارہ چھکڑے
ہچکولے کھاتے ہوئے دھیرے دھیرے آگے بڑھتے رہے تھے۔
مرد بیلوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تھے۔ ان کے لیے لمبے چابک
صابرو شاکر جانوروں کے اوپر لہراتے ضرور رہے تھے لیکن
انہوں نے ان کی پیٹھ کو چھوا نہیں تھا۔ ان تمام ہفتوں میں عورتیں
چھتے ہوئے چھکڑوں میں بیٹھی رہی تھی۔ وہ اس دن کی منتظر
تھیں جب وہ نئے صوبے میں داخل ہونگی۔ وہاں پہنچ کر انہوں اپنے
مردوں کے لیئے نیئے گھر بسانے تھے۔ ان میں سے بیشتر
عورتیں بادل ناخواستہ آئی تھیں کیونکہ عورت ہمیشہ اپنے پرانے
گھر سے پیار کرتی ہے۔

راستے میں نوجوان مسز ہنری گیبارڈ نے ایک بچے کو
جنم دیا۔ اینا رودن باش کی منگنی ایڈولیف سے ہو گئی۔ بوڑھے
دادا شافر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور انہیں پگڈنڈی کے پاس دفن
کر دیا گیا۔

وشال دلدل تک پہنچنے میں انہیں اب زیادہ دیر نہیں تھی۔ فرنٹر نے اس امید پر مغرب کی طرف دیکھا کہ شاید سب سے پہلے دریا اسے ہی دکھائی دے جائے۔ لیکن امالیا بار بار پیچھے مڑ کر سامنے پھیلی ہوئی پگڈنڈی کو دیکھتی رہی۔

اور پھر دفعتاً ایک چڑھائی کی چوٹی پر انہوں نے اسے دیکھ لیا ـــــــ دریا!

وشال دلدل کا مٹیالہ زرد پانی ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ دریا کے اس پار نیبراسکا کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ پانی کے اس پار انہیں کوٹھڑیاں دکھائی دیں۔ یہی نیبراسکا سٹی تھا ـــــــ ایک کشتی انہیں دریا کے پار اتارنے کیلئے آ رہی تھی۔

سب سے پہلے ولہیم سٹالزکو اپنے چھکڑے سمیت جانا تھا۔

"آؤ امالیا" اس نے بلند آواز سے کہا "پہلے ہم جائیں گے۔ ہمارے فرقہ میں تم پہلی عورت ہو گی جو اس دریا کو پار کرے گی۔ یہ تمہارے لئے نیک فال ہے۔ اس پار ہرمن سے ملنے کی خوش نصیبی بھی تمہارے حصہ میں آئے گی" وہ اس وقت نہایت پرجوش اور مسرور نظر آتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی اس حماقت کو بھی بھول گیا تھا کہ وہ کسی اور نوجوان سے محبت کرتی ہے، اس کے لیئے دیوانی ہو رہی ہے۔

انہیں لینے والی کشتی دھیرے دھیرے آ رہی تھی۔ لیکن امالیا کے نزدیک اس کی رفتار سست نہیں تھی۔

اب وہ کیسے پار بھی سے دریا کو پار کر رہے تھے۔ امالیا نے سر جھکا کر مٹیالے پانی کو دیکھا۔ تھوڑا سطح سے ایک انچ بھی نہیں دیکھا

جا سکتا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہم اپنی زندگی کے آنے والے ایک گھنٹے تک سے واقف نہیں ہوتے۔

لوگ کشتی کا استقبال کرنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ تیز ہوا میں کھڑی ہوئی امالیا کپڑوں میں تہہ در تہہ لپٹی ہوئی کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھی۔

اسے کنارے پر کھڑے ہوئے کسی شخص کی آواز سنائی دی "میں نے پوری زندگی میں ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی اگر یہ چاہے تو اس کے ساتھ شادی کر سکتا ہوں"

"سنبھل کر"، اس کے پہلو میں کھڑے ہوئے آدمی نے کہا "یہ شخص جو ادھر آ رہا ہے، اسی کا منتظر ہے"

نو ۹

سوری کوین غروب آفتاب کے وقت نیبراسکا سٹی پہنچی تھی۔ بہت سے مسافر جنہیں اور آگے دریا کے منبع کی طرف جانا تھا، ساحل پر آکر اپنے اُن نئے دوستوں کو الوداع کہہ رہے تھے جن سے اُن کے تعلقات کشتی ہی میں قائم ہوئے تھے۔

لیکن متھیاس کے پاس ایسے کاموں کے لیئے وقت کہاں تھا؟ وہ تو رہائش کے لیئے جگہ ڈھونڈ کر شہر کا چکر لگانے کے لئے بیتاب ہو رہا تھا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ لدھرن آباد کار ابھی پہنچے ہیں یا نہیں۔

اس جگہ کا نام تو نیبراسکا شہر تھا لیکن متھیاس کو یہاں

شہروں والی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس شہر کو بسے ہوئے
تقریباً بارہ برس ہو گئے تھے۔ یہاں ایک کچہری تھی، کئی دکانیں
اور گرجے تھے، ایک اسکول تھا اور متعدد ہوٹل تھے۔ یہ چھوٹا سا
شہر اسوقت نوجوان میتھیاس کی امیدوں کا مرکز تھا لیکن اس
سے بھی کہیں اہم بات اس کے لیئے یہ تھی کہ وہ شخص جس سے
اماالیا کی شادی ہونے والی ہے، اس وقت اس شہر میں ہی
کہیں موجود ہے۔

سب سے پہلے اسے کسی ہوٹل کو تلاش کرنا تھا۔ اس نے
چارلی برگز کو خدا حافظ کہا کیونکہ اسے اپنے کسی چچازاد بھائی کے
پاس ٹھہرنا تھا۔

"اگر تمہیں ان لوگوں کے متعلق جنھیں میں تلاش کر رہا ہوں،
کوئی خبر ملی تو مجھے اطلاع دیدو گے نا؟" میتھیاس نے پوچھا۔

"یقیناً دوں گا۔"

"میں تو ہاتھ منہ دھوکر کھانا کھاتے ہی نکل پڑوں گا۔ ممکن
کوئی خبر مل جائے۔"

ہوٹل پہنچ کر میتھیاس نے ہاتھ منہ دھوکر رات کا کھانا
کھایا۔ طعام کا کمرہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ میتھیاس
جانتا تھا کہ یہ وہ مسافر ہیں جن کے پاس پیسے کم ہیں بیشتر نوآبادکار
تو شہر سے باہر خیمہ زن ہوں گے۔

اس نے ایک نوبیاہتا جوڑے کو دیکھا جو اس کے قریب ہی
ایک میز پر بیٹھا تھا۔ دلہن کے نئے ہیٹ پر لگے ہوئے پر کو دیکھ
کر وہ سوچنے لگا کہ یہ نازک سا پر کیا ہستانی آندھیوں کی کیسے

تاب لا سکے گا۔ ایک اور میز پر کچھ آدمی بیٹھے تھے جو کسی نئی ریلوے
لائن کے متعلق بات چیت کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ ریل کی
پٹری کہاں تک جائے گی، اسکی تعمیر کا کام کون سے انجینئروں کے
پاس ہے، قبائلی کیسی کیسی مشکلیں کھڑی کر رہے ہیں، مزدوروں
کے "چلتے پھرتے شہر" کا بھی ذکر آیا جسے یہ لوگ "پہیئے دار دوزخ"
کہتے تھے۔

زمین کے بڑے بڑے خالی ٹکڑوں اور عظیم منصوبوں
کی باتیں سنکر متھیاس کے وہ ولولے پھر سے جوان ہو گئے
جو کبھی اس نئے صوبے نے اس کے دل میں ابھارے تھے۔
اس نئے ملک کی تعمیر میں اسکا اپنا حصہ کیا ہوگا اس بات کا اسے
مطلق علم نہ تھا۔ تاہم وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اسے فوراً کسی نہ
کسی کام میں جُٹ جانا چاہیئے۔ کسی اہم کام میں تاکہ وہ کارنمایاں
جو اسکی زندگی کا مقصد تھا، جلد از جلد شروع ہو سکے۔ وہ خدا
کا شکر گزار تھا کہ اس کے پاس کچھ رقم موجود ہے۔ بہر حال اس
وقت سب سے اہم کام امالیا کو تلاش کر کے اسے اپنے ساتھ
لانا تھا۔ پھر اسے اس نئے اور طویل و عریض صوبے کی تعمیر میں
جُٹ جانا تھا۔ تاکہ وہ اپنے اور امالیا کے لیئے وہ مقام حاصل
کر سکے جو ان دونوں کے شایان شان ہو۔

"آپ کا نام مسٹر میتھ ہے؟"

متھیاس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک ملازم کھڑا تھا۔

"باہر ایک صاحب آپکا انتظار کر رہے ہیں جناب"

کرسی کو پیچھے ہٹا کر وہ اس دروازے کی طرف بڑھا جو ہوٹل

کی پیش دہلیز میں کھلتا تھا۔ وہاں چارلی برگز اسکا منتظر تھا۔
"بہت بری خبر ہے" میتھیاس گنگ سا ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس عالم میں بھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ہمدردی کے اس جذبے کو وہ زندگی کے آخری سانس تک نہیں بھلا سکے گا جو اس نے اپنے دوست کے چہرے پر اس وقت دیکھا تھا۔
"لوتھرن پرسوں پہنچ گئے تھے" چارلی نے سرگوشی کی۔ "کل وہ مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی زمینیں وہیں ہیں۔ اس لڑکی کی شادی روانگی سے پہلے، یہیں ہو گئی تھی"
میتھیاس اپنے دھوپ میں سنولائے ہوئے اور چمڑے ایسی جلد والے دوست کے چہرے کو گھورتا رہا۔ بالکل ویسے ہی جیسے الی نائیس کے جنگل میں وہ ایک کمسن سے لڑکے کو کھولی کھولی سی نظروں سے تکنے لگا تھا جیسے ماضی کے کچھ لمحے اس پر دوبارہ گذر رہے ہوں۔ لیکن اب تو امید کی کوئی کرن باقی نہیں تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ یہیں، اسی پیش دہلیز میں دم توڑ دے گا۔ جہاں چارلی برگز اپنے زمانے کے گرم وسرد چشیدہ چہرے پر دنیا بھر کا کرب سمیٹے اس کے سامنے کھڑا تھا اور جہاں جون کے موٹے موٹے پتنگے روشنی کی طرف اڑتے دکھائی دیتے اور پھر دوسرے ہی لمحہ ایک بے ہنگم سے شور کے ساتھ لکڑی کے فرش پر آن گرتے تھے۔
"تمہیں پکا پتہ ہے نا ———— میرا مطلب ہے شبہ

کی گنجائش تو نہیں ؟" اس نے سوال کیا۔
" بالکل نہیں ۔ یہ سب میرے کزن نے اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے ۔ دو شادیاں ہوئیں تھیں شہر سے باہر
جھکڑوں کے پاس پگڈنڈی کے قریب شادی کی رسم
ادا ہوئی ۔ ایک لڑکی کا چہرہ بے حد سفید نظر آتا تھا ۔ رسم
کے بعد سب نے گھٹنوں کے بل جھک کر دعا مانگی "
کچھ دیر تک دونوں نوجوان گم سم سے کھڑے رہے۔
متھیاس کے ذہن میں کئی تصویریں ابھریں ۔ ادھوری
تصویریں ——— سیلاب کا چنگھاڑتا ہوا پانی......
خطوط...... چھٹتے ہوئے چھکڑے........ امالیا کا
سپید چہرہ........ ان دیکھے ہاتھ جو متھیاس کے
جسم کو ہلاکت خیز ریتیلی دلدل میں کھینچ رہے تھے ———
بہت دیر ہو چکی ! بہت دیر..... بہت دیر.....
" مجھے افسوس ہے متھیاس ...... اگر میں زندگی
میں کبھی تمہارے کام آسکوں .... " چارلی برگمز کے
جھرّیوں کی جلد ایسے سرخ چہرے سے کرب جھلک رہا
تھا ۔ " شکریہ چارلی ——— "
دونوں ہاتھ ملا رہے تھے ۔
متھیاس مڑا اور ہوٹل میں داخل ہو کر اپنے کمرے
میں چلا گیا ۔ دیر تک وہ فرش کے وسط میں کھڑا ایک سوچ
کر سوچنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس پر کیا بیت گئی ہے ۔

وہ بہت دیر سے پہنچا تھا۔۔۔۔

۔۔۔۔بہت دیر سے ۔۔۔۔۔۔

اپنے بستر کے پاس گھٹنوں کے بل گرکر اس نے اپنا چہرہ بازوؤں میں دفن کر دیا۔

ہائے ننھی فاغستہ ــــــــــ

۱۰
دس

امالیا چھکڑے میں اپنے نئے نئے شوہر ہرمن ہومنڈارفر کے پہلو میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نہ تو اس نے اپنے والد کو ہدفِ ملامت بنایا اور نہ ہی اس نے اس شخص کی نافرمانی کے بارے میں سوچا جو اب اس کے جسم کا مالک تھا۔

وہ اب ہرمن کی ہو چکی تھی۔ ہرمن کو ایک ایسی عورت مل گئی تھی جو اسکے گھر کی دیکھ بھال کیا کرے گی، اسکے لیے کھانا پکایا کریگی اور رات کو اس کے پہلو میں لیٹا کریگی۔ دل ہی دل میں وہ اسکے حسن پر بھی نازاں تھا لیکن وہ یہ بات اسے ہرگز نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے نزدیک حسن سے کہیں زیادہ اس بات کی اہمیت تھی کہ وہ کھانا پکا سکتی، سینے پرونے اور صفائی کا کام کر سکتی ہے،

مرغیاں پال سکتی ہے اور کھیت کے کام کاج میں اسکا ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اور پھر وہ اس کے لیئے بہت سے لڑکے بھی پیدا کریگی۔

پگڈنڈی پر چلتے ہوئے چھکڑے میں بیٹھا ہوا ہرمن زندگی سے کافی مطمئن نظر آرہا تھا۔ کم از کم زندگی کا جو مفہوم اس کے ذہن میں تھا اس کے اعتبار سے تو وہ مطمئن تھا ہی ——— نیبراسکا کی زرخیز دھرتی پر پھیلا ہوا ایک سو ساٹھ ایکڑ کا فارم ٹٹوؤں کی جوڑی اور ایک عورت ——— یہ سب اسکی ملکیت میں شامل تھے۔ اور پھر عورت بھی وہ جس کے باپ کے صرف دو ہی بچے تھے۔ ولہیم سٹالز کی موت کے بعد امالیا کو اپنے باپ کی زمین کا آدھا حصہ مل جائے گا اور چونکہ امالیا اس کی ملکیت تھی لٰہذا یہ زمین بھی اسی کی ہو جائے گی ———

ایک سو ساٹھ ایکڑ زمین، عمدہ ٹٹوؤں کی جوڑی اور ایک عورت ——— ہرمن ہومزڈارفر اپنی خوش قسمتی کا اندازہ انہیں چیزوں سے لگا رہا تھا۔ ترتیب میں عورت سب سے آخر میں آتی تھی۔

وہ چیخ چیخ کر اپنی مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ امالیا اس کے حواس پر تیز شراب کی طرح چھا گئی تھی ———

"میں تمہارے لیئے سب سے شاندار مکان بناؤں گا۔ میرا مکان دریا کے کنارے کنارے پھیلے ہوئے جنگل کی بہترین لکڑی سے بنے گا۔ ارے کچھ تو بول بھاگوان ———"

پھر اپنی موٹی سی انگلی سے امالیا کا گلابی گال دباتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"تمہیں میرا منصوبہ پسند نہیں؟"

"بہت اچھا ہے" امالیا نے دھیرے سے جواب دیا۔

اس دن سے جو انہوں نے نیپلز اسکا سٹی میں گذارا تھا، امالیا چپ سی رہنے لگی تھی۔ ہرمن کے ساتھ وہ بہ۔۔۔ جہتی الامکان شائستگی سے پیش آنے کی کوشش کرتی۔ لیکن اس روز اسکے اندر جیسے کوئی چیز مفلوج سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا درد سے بے حال زخمی دل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی پوشیدہ حجرے میں جا چھپا تھا۔ ننھی فاختہ مری تو نہیں تھی لیکن بری طرح گھائل ضرور ہو گئی تھی۔

وہ اب دو دنیاؤں میں رہ رہی تھی۔ ایک تو وہ عملی دنیا تھی جس میں اس کے گرد و پیش کے سبھی لوگ رہ رہے تھے۔ جھگڑوں کے۔۔۔۔ رکتے ہی وہ کام میں جُت جاتی۔ کھانا پکانا ندی پر جا کر اپنے والد اور ہرمن کے بھی کپڑے دھونا اس کے معمول میں شامل تھے۔ لیکن اسکی دوسری دنیا سب سے الگ تھلگ تھی۔ اس کے پہلو میں اکھڑ اور بدشکل سا آدمی اس کے جسم کا مالک ضرور تھا، لیکن اسکی روح اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور رہنے کا امکان تلاش کر چکی تھی۔

کئی روز تک بیل گاڑیاں مغرب کو جانے والی پگڈنڈیوں پر سرکتی رہیں۔ پھر ہرمن کی ہدایت کے مطابق وہ ایک طرف

مڑ گئے جہاں حد نظر تک پھیلے ہوئے گیا ہستان میں انھیں کئی میل کا سفر طے کرنا تھا۔ یہاں گھاس خاصی اونچی تھی اور جا بجا نیلے اور سپید خود رو پھول نظر آتے تھے۔

دو بار انھیں قبائلی نظر آئے وہ خوفزدہ ہو گئے لیکن کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔

کہیں کہیں تو راستہ فرش کی طرح ہموار ہوتا اور کہیں کہیں ایکدم ناہموار ــــ کبھی کبھی تو وہ گھٹنوں سیاہ دلدل میں پھنسے رہتے اور کبھی دھوپ اور کیچڑ کو خشک کر دینے والی ہوا کے طفیل ایک ہی دن میں چودہ میل کا سفر طے کر لیتے۔ راستہ میں ندیاں بھی آئیں اور جنگل بھی۔ چند چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کے پاس سے بھی وہ گذرے جن میں سے صرف دو یا تین آباد تھیں۔ اور یہ وہ جگہیں تھیں جہاں کبھی گاؤں اور شہر آباد ہوں گے، کھیت، ہموار سڑکیں اور مضبوط ریل نظر آئیں گے اور جہاں رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی روشنیاں آسمان سے اترتے ہوئے ہوائی جہازوں کی رہنمائی کیا کریں گی۔

چھٹے روز ہرمن رک گیا ــــ "یہاں سے ہماری زمین شروع ہوتی ہیں۔ تم یہیں میرے گھر کی دیکھ بھال کیا کروگی امالیا؟"

"ہاں ہرمن" امالیا نے جواب دیا۔ بیچاری امالیا ــــــ جسے ہرمن کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے ہوئے بھی الگ "حجرے" میں رہنا تھا، اس کے قریب ہوتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور اس سے دور ہی رہنا تھا۔

گھوڑوں پر سوار تین اجنبی نوجوان ان سے ملنے آئے۔ ہرمن کی غیر موجودگی میں وہ زمین کے ایک ٹکڑے پر قابض ہو گئے تھے۔ طویل بحث کے بعد لوتھرن قبیلے نے انھیں کچھ روپیہ دیدیا۔ رقم لے کر وہ تینوں نوجوان کسی اور جگہ پر، جو قریب ہی تھی، جا بسنے کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ یہ انگریز تھے۔ وہ وقت دور نہیں تھا جب ان کے پوتے پوتیاں لوتھرن بچوں کے ساتھ اس حد تک گھل مل جائیں گے کہ کوئی پہچان نہیں سکے گا کہ آیا یہ انگریزوں کے بچے ہیں یا لوتھرن قبیلے کے ______ اس جھگڑے سے نمٹنے کے بعد جرمن نو آباد کار اس الاؤ کے اردگرد بیٹھ گئے جو انھوں نے جلایا تھا۔ ولہیم سٹالزر نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ یہاں تک پہنچنے میں اسی نے رہنمائی کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہاں وہ خدا سے قریب تر ہوں گے۔

اماالیسا نے آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کو دیکھا اور سوچنے لگی کہ خدا اتنا دور دور کیوں محسوس ہوتا ہے۔

۱۱
گیارہ

فوراً ہی آباد کار زمین کی ترتیب اور تقسیم میں لگ گئے۔ ہر معافی دار کے حصے میں ایک سو ساٹھ ۱۶۰ ایکڑ زمین آئی تھی۔ ہر کھیت لمبائی میں زیادہ اور چوڑائی میں کم رکھا گیا تاکہ سبھی

کی حد دریا کے قریب رہے۔ کم چوڑے کھیتوں کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مکان پاس پاس بن سکتے تھے تاکہ قبائلیوں کا مل کر مقابلہ کیا جا سکے۔

فارم تعداد میں گیارہ تھے کیونکہ اکیس افراد کے اس قبیلے میں گیارہ ہی مرد تھے۔

سبھی دریا کے قریب چھکڑوں کے پاس خیمہ زن ہو گئے۔ کھیتوں کی پیمائش شروع ہوئی۔ جولائی کی ایک تپتی ہوئی دوپہر کو یہ کام مکمل ہو گیا۔ اب کھیتوں کے انتخاب کا مرحلہ آیا۔

گھرانوں کے نام کاغذ کے الگ الگ ٹکڑوں پر لکھے گئے۔ کھیتوں کے نمبروں کی الگ پرچیاں بنائی گئیں۔ ایک ہیٹ میں نمبروں والی پرچیاں ڈال دی گئیں اور ایک میں ناموں والی ——

"پرچیاں ان نئی شادی شدہ لڑکیوں کو نکالنے دو ——" کسی نے کہا —— "اپنا کرانسر اور امالیا ہومز ڈارفر ——"

اپنا کرانسر نے ایک نمبر نکالا۔ "گیارہ" وہ بولی۔

امالیا نے وہ نام نکالا جس کے حصّے میں گیارہ نمبر آتا تھا۔ "ہومز ڈارفر" اسکے منہ سے نکلا۔ ایک لمحے کے لیئے وہ بھول گئی تھی کہ ہومز ڈارفر اب اس کے اپنے نام کا جزو ہے ——

پرچیاں نکالنے کا کام جب ختم ہوا تو اندھیرا ہو چلا تھا۔ امالیا اور ہرمن کا فارم اور ولہیم سٹالز اور فرٹنز کا فارم معانی کی زمینوں کی قطار کے ایک سرے پر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

ان کھیتوں کے درمیان اسوقت سڑکیں نہیں تھیں۔ کچھ مدت بعد یہاں ایک سڑک ہوگی جو گرمیوں میں گرد یا کیچڑ سے بھری ہوگی اور سردیوں میں برف کے نیچے دبی ہوگی —— پھر کچھ اور مدت بعد اسکی مرمت کر کے اسے پکی سڑک میں بدل دیا جائیگا۔ کچھ اور عرصے کے بعد اسے چوڑا کر کے نسبتاً بہتر بنا دیا جائے گا۔ اور پھر وہاں جہاں دریا کے قریب گیاہستان کی گھاس میں کرائسز، شیفر، گیبارڈت، سٹالنز اور ہومزڈار مزگھرا نے کے بیل گھوڑے رکے تھے، ساٹھ ستر میل کی رفتار پر بھاگتی ہوئی موٹریں گذرا کریں گی ——

۱۲
بارہ

نیبراسکا سٹی پہنچ کر پہلے چند دنوں میتھیاس میٹر نے دکھ کی تلخی کا خاصہ مزا چکھ لیا تھا۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ نہ رہ سکا کیونکہ غم جاناں کے علاوہ بھی ایسے بہت سے کام تھے جو اسے اپنی طرف راغب کر سکتے تھے۔

یہ عمل کا دور تھا، جسمانی کارناموں کا عہد تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے فضا میں غیر مرئی قوتیں ہلچل مچا رہی ہوں۔ ہر طرف جوانی ور قوت بر سر پیکار تھی۔ یہ مردوں کی دنیا تھی اور یہاں کا ہر مرد جوان تھا۔

میتھیاس کو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ اسکی قوتیں مفلوج ہونے سے بچ گئی ہیں۔ وہ اس قدر مصروف تھا کہ محرومی کے ہاتھوں شکست کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ اگر وہ اس نئے اور عظیم ملک کا ایک حصہ بن سکے تو اس سے بڑی بات کیا ہوگی۔ وہ کہاستان میں چلنے والی آندھیوں کی طرح آزاد تھا۔ وہ کسی بھی آباد کار یا جانباز کے ساتھ کہیں بھی جا سکتا تھا۔

یہ واقعی تعجب کی بات تھی کہ اس نے اپنا وہی حقیر سا پیشہ یعنی گھوڑے کی نعل بنانے کا کام پھر سے شروع کر دیا تھا۔ اس کا مشورہ اسے چارلی برگمن نے دیا تھا۔

ان دنوں ہلول، گھوڑے کے نعلوں اور کیلوں کی بڑی مانگ تھی لہٰذا لوہار کی دوکان راتوں رات چل نکلتی تھی۔ اسی لئے میتھیاس میٹز نے یہ کام شروع کیا تھا۔

اس سال اور اگلے برس کے کچھ حصے میں میتھیاس نے ان سینکڑوں گھوڑوں کے نعل لگا دیئے جو اس مرکزی دروازے سے ہوتے ہوئے طویل و عریض میدانوں میں جا رہے تھے۔

وہ محنت اور مردانگی کی دنیا میں مگن تھا۔ یہ دنیا اس کے کمرے سے لیکر اس کی چھوٹی سی دکان تک محدود تھی۔ اس کی ملاقات صرف ان مردوں ہی سے ہوتی جو اس قصبے سے گذرتے تھے۔ حالانکہ اس دوران میں کئی لڑکیوں نے اس گٹھے ہوئے جسم، خوبصورت چہرے اور چوڑے چکلے سینے والے نوجوان کو دیکھا اور وہ دیر تک اپنی نگاہیں وہاں سے

نہ ہٹا سکیں۔ لیکن ابھی تک کوئی بھی لڑکی میتھیاس کی توجہ حاصل نہ کر سکی تھی۔ اس کے ذہن میں ابھی تک اس لڑکی کے سوا کسی کی پرچھائیں ابھرتی ہی نہ تھی جس نے اسے الوداع کہا تھا۔ اور یہ لفظ ہمیشہ کے لئے اس کا خط تقدیر بن گیا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں دفعتاً نبیراسکا کو ریاستی حقوق دیدیے گئے۔

آبادکار اب سیلاب کی طرح امڈ پڑے۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں آ رہے تھے۔ آنے والوں میں اکثریت ان نوجوان سپاہیوں کی تھی جو ایک بار خطروں سے کھیلنے کے بعد اپنی پرانی بے کیف زندگی کو دوبارہ نہیں اپنا سکتے تھے۔ بہت سے ذہین لوگ اس فیصلے پر پہنچ چکے تھے کہ نئی ریاست میں ترقی کے امکانات سبز گیاہستان ہی کی طرح وسیع ہیں۔

یہ لوگ کشتیوں یا چھکڑوں میں آ رہے تھے۔ شمالی یا مشرقی ریاستوں سے آئے ہوئے یہ تندرست و توانا نوجوان امریکہ جرمنی، بوہیمیا اور ڈنمارک کے رہنے والے تھے اور قوم کے سب سے قوی نوجوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو گاؤں بسانے کے کام میں جُت گئے اور کچھ گیاہستانی زمینوں کو قابل زراعت بنانے میں لگ گئے۔ اس عظیم ریاست کی تعمیر میں ہر شخص اپنے اپنے حصے کا کام کر رہا تھا۔

میتھیاس میڑلے نے فیصلہ کر لیا کہ وہ شہر ہی میں رہے گا۔ گھوڑے کے نعل بنانے کا کام وہ مستقل طور پر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر چیزیں خرید کر نوواردوں کے ہاتھ بیچی جائیں تو خاصا منافع کمایا جا سکتا ہے۔ اور بھی ایسے کئی کام

تھے جن سے خوشحالی کی زندگی گذاری جا سکتی تھی۔

فیصلہ کرنے میں ایکی بار بھی چارلی برگز نے ہی اس کی مدد کی۔

جولائی کے مہینے میں وہ نیبراسکا سٹی میں تھا۔ اسے خبر ملی کہ نئی ریاست کے دارالخلافے کے لیے جگہ کا انتخاب ہو گیا ہے۔ "یہ جگہ کھلے گیاہستان میں ہے جہاں اس وقت لکڑی کی تین چار کوٹھڑیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن کسی روز یہاں ایک بہت بڑا شہر آباد ہو گا۔ لیکن مجھے اس سے کچھ نہیں لینا۔ مجھے تو معاف کی زمینوں پر آباد ہونا اچھا لگتا ہے جہاں مجھے قبائلیوں سے لڑنے بھڑنے کا موقع مل سکے۔"

گیاہستان میں لکڑی کی بنی ہوئی تین یا چار کوٹھڑیاں؟ لیکن یہ صورت حال کب تک رہے گی؟ کچھ دن بعد یہاں اور مکان بن جائیں گے، پھر ایک ہوٹل، دو کانیں، ایک اسکول اور ممکن ہے ریل کی پٹڑی بھی بن جائے۔ دارالخلافہ زیادہ دن تک گاؤں نہیں رہ سکتا۔ تین یا چار لکڑی کی بنی ہوئی کوٹھڑیاں، ہونہہ!

۱۳
سیرہ

پہلی اپریل ۱۸۶۸ء کو میتھیاس سیٹر نیبراسکا کے دارالخلافہ یعنی لنکن نامی گاؤں کی طرف چل پڑا۔ اس کے دو گھوڑوں والی

والے چھکڑے میں طرح طرح کی چیزیں پڑی تھیں جنہیں وہ بیچنے کے لئے لے جا رہا تھا۔ کپڑا، چینی نمک، جوتے، آٹا، وغیرہ ——— ہوا تیز اور کٹیلی تھی اور پگڈنڈی گہری دلدل میں چھپی ہوئی تھی۔ رات تک وہ نو میل کا سفر طے کر سکا۔

رات اس نے ایک ایسی کوٹھڑی میں گذاری جو ویران گیاہستان میں سیاہ نقطے ایسی دکھائی دیتی تھی۔ یہاں دو بھائی قیام پذیر تھے۔ یہ کالج کے طالب علم تھے اور مغرب میں خوشحالی کی تلاش میں آئے تھے۔

اگلے روز ایسی بارش ہوئی کہ درجہ حرارت نقطۂ انجماد کو پہنچ گیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد وہ چھکڑا لے کر چل پڑا اور مٹی کے بنے ہوئے ایک یکہ و تنہا چھوٹے سے مکان تک جا پہنچا ——— دہلیز پر کھڑے ہوئے ایک لمبے تڑنگے آدمی نے اسے آواز دی ———

"اندر آجاؤ ——— اطمنان رکھو، ایک اور آدمی کے لئے یہاں ہمیشہ گنجائش نکل آتی ہے۔" اس نے دیکھا دونوں کمرے کھچا کھچ بھرے تھے۔ ایک کمرہ میں مرد تھے اور دوسرے میں عورتیں۔ آدھی رات کے وقت اسے اتنی سردی لگی کہ وہ باہر نکل آیا تاکہ دوڑ لگا کر اور بازوؤں کی ورزش سے اپنے جسم میں گرمی پیدا کر سکے۔

تیسرے دن بھی وہ گیاہستانی آندھی میں مغرب کی طرف سفر کرتا رہا۔ اس کے خواب بھی تو آندھی ہی کی طرح سرکش تھے۔ ایک روز ان پہاڑیوں اور وادیوں میں ہل چلتے نظر آئیں گے۔

حدِّ نظر تک پھیلی ہوئی سنہری فصلیں دھوپ میں چمکا کریں گی ان کے ارد گرد گاؤں اور شہر آباد ہو گئے۔ جس وقت وہ قصبے کے پہلے مکان کے پاس پہنچا، سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی اپنا دامن پھیلا رہی تھی۔

حدِّ نظر تک پھیلا ہوا گیا ہستان، تین یا چار لکڑی کے مکان جو ایک دوسرے سے فاصلے پر بنے ہوئے تھے، ایک لوہار کی دکان اور ایک جلی ہوئی اسکول کی عمارت جسکی اب صرف دیواریں ہی رہ گئی تھیں! تو یہ تھا وسطی مغرب کے ایک شہر کا آغاز! یہاں کسی روز ہزاروں خوبصورت مکان اور لائبریریاں نظر آئیں گی، اسکول اور گرجے ہوں گے اور ان سب سے کہیں زیادہ خوبصورت کانگریس کے اجلاس کی عمارت ہو گی جس کا بلند و بالا مینار زرخیز سبزہ زاروں کے اوپر سینہ تانے کھڑا ہو گا۔

۱۴
چودہ

یوں متھیاس میرؔ اور امالیا نے [یہ وہی لڑکی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا] ایک ہی نئی ریاست میں، زندگی کا آغاز کیا۔ نوجوان اس گاؤں میں رہتا تھا جسے ایک روز شہر بننا تھا اور لڑکی اپنے قبیلے والوں کے ساتھ معافی کی زمین پر جا بسی تھی۔ ان دونوں کی زندگیوں کے درمیان

زبردست گیا ہستان اتنی بڑی خلیج حائل تھی ——

امالیا نے میتھیاس کی محبت کو ذہن کے ایک تجربے میں طاقِ نسیان پر بیسانے کی کوشش کی لیکن وہ ہر وقت ذہن کے اگلے ہی تجربے میں محفوظ رہی۔ یہ دوسرا تجربہ اس کے لیئے پناہ گاہ بن گیا تھا۔ جب کبھی اسے جسمانی تھکاوٹ کا احساس ہوتا یا دل کے زخم رسنے لگتے تو وہ اسی تجربے میں چلی جاتی۔ یہاں اسے محبت ملتی، غمخواری کا احساس کیا جاسکتا تھا جب وہ کام میں مصروف ہوتی تمام یہاں ہر مرد، عورت اور بچے کا مقصدِ حیات تھا۔

زمینوں کے انتخاب کے بعد سبھی گھرانے اپنے اپنے فارم پر چلے گئے۔ مکانوں کے بننے تک انہیں چھکڑوں ہی میں رہنا تھا۔ گیارہ گھرانے دریا کے کنارے کنارے کئی میل تک نقطوں کی طرح پھیل گئے۔ ہر ایک کے پاس ٹٹوؤں کی جوڑی اور ایک چھکڑا تھا، ایک ڈربہ اور مرغیاں تھیں، ایک ہل اور کچھ ایسی چیزیں تھیں جو نئے مکان کے لیئے درکار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے پاس بہت کچھ تھا یعنی طاقت، ہمت اور امید ——

امالیا کے پاس اب بڑا خوبصورت مکان تھا۔ یہ اپنا کراتنز کے مکان سے کہیں بہتر تھا کیونکہ اس میں دو کمرے تھے۔ مکان کے مکمل ہوتے ہی اس نے کھردرے فرش پر وہ چٹائیاں بچھا دیں جو اس نے بنا رکھی تھیں۔ مختصر سا فرنیچر جو ان کے پاس تھا، لکڑی کی دیواروں کے ساتھ

لگادیا گیا۔ برتن اور پراتیں وغیرہ بھی لگا دی گئی۔
جب اسے جھاڑو دینے کے لیے فرش اور صفائی کرنے کے لیے آتشدان مل گیا تو اسکے دل کا درد قدرے کم ہو گیا۔ کچھ ہی دن بعد سبھی عورتیں اسکے سگھڑپے کی تعریف کرنے لگیں۔
نئی زمین کی کاشت کے معاملے میں ہرمن کا شمار بہترین کسانوں میں ہوتا تھا۔ دھرتی کے بارے میں اسکی سوجھ بوجھ غیر معمولی تھی۔ لوگ اکثر اس سے مشورے اور مدد کے طلبگار رہتے تھے۔
کبھی کبھی ہرمن زمین جوتنے کے لیے گیا ہوتا تو قبائلی گیا ہنان کی اونچی اونچی گھاس میں سے آ نکلتے۔ رات کو اکثر اسے وہ الاؤ جلتے نظر آتے جو ان کی موجودگی کا سگنل سمجھے جاتے تھے۔ کبھی کبھی جب وہ پانی بھرنے جاتی ہوتی تو اچانک پگڈنڈی پر اسے کوئی لمبا سا سانپ دکھائی دے جاتا۔ دریا کے پاس جنگل سے آتی ہوئی گیا ہی بھیڑیوں کی آواز تو اسے غروب آفتاب کے بعد ہمیشہ سنائی دیتی تھی۔
جب مکان بن گئے تو انہوں نے گرجا کے لیے لکڑی کی ایک چھوٹی سی عمارت بنائی۔ اسکول کا کام بھی اسی سے لیا جاتا تھا۔ یہ عمارت ایک ایسی پہاڑی پر بنائی گئی جہاں سے وادی نظر آتی تھی۔
"گرجا کے پہلو میں کسی روز پادری کا مکان ہوگا" ولیم نے کہا "جونہی پہلی قبر بنانے کی ضرورت پڑی ہم باڑ

بھی بنالیں گے۔"

اس کی بات سن کر امالیا نے مجمع کی طرف دیکھا۔ موت، اس کے ہاتھ تو ہر کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

اس کا سب سے پہلا شکار مسز گیبارڈ کا بچہ تھا جو نیبراسکا کے سفر میں پیدا ہوا تھا۔ یہ بچہ شروع ہی سے کمزور تھا۔

گرمیوں اور خزاں کی یہ رُت امالیا کے لئے نئے اور عجیب سے تجربوں کی رُت تھی۔ حدِّ نظر تک پھیلا ہوا گیاہستان سونے مکان کی تنہائی، قبائلیوں اور سانپوں کا خوف ـــ مشقت تو جیسے اسکی زندگی کا جزو بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہرمن کو خوش رکھنے کا بھی ہر ممکن جتن کرتی رہتی تاکہ وہ اسکی عیب جوئی نہ کرتا پھرے۔

پھر سردیاں آگئیں ـــ برفباری کی وجہ سے ہر مکان برف سے ڈھکے ہوئے گیاہستان سمندر میں ایک چھوٹے سے جزیرے ایسا لگتا تھا۔ زندگی اب خوراک کی تلاش ہی کا دوسرا نام بن کر رہ گئی تھی ـــــ

کبھی تو ہرمن بے حد غصے میں نظر آتا اور کبھی بہت ہی خوش دکھائی دیتا۔ لیکن امالیا ہمیشہ چپ چپ سی رہتی تھی۔ تاہم ہرمن کو اس بات کا کبھی علم نہ ہو سکا کہ امالیا کو حاصل کر لینے کے باوجود وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو چکا ہے۔

امالیا پوری یکسوئی اور تن دہی کے ساتھ اپنے حصے کا کام کئے جارہی تھی۔

زندگی اور بقا کی لڑائی پورے زور کے ساتھ لڑی جا رہی تھی اور وہ اس جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہ تھی۔ اس لڑائی میں سارے وسیلے کام آ رہے تھے، ضائع کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

کبھی کبھی تنہائی میں وہ گھونگھروں والے صندوقچے کو نکال لیتی لیکن وہ اسے کھولتی نہیں تھی۔ اس پر جمی ہوئی گرد جھاڑ کر وہ اسے وہیں رکھ دیتی۔ یوں لگتا تھا جیسے صندوقچے میں اس کا دل رکھا ہو ـــــــ سرخ اور زخمی دل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پھر دفعتاً وہ زندگی کے سب سے انوکھے تجربہ سے دوچار ہوئی۔ وہ ماں بننے والی تھی ـــــــــــــ

اگلے برس کا موسم گرما بے حد گرم اور جبر آزما تھا۔ انہیں سارے کام فوراً نبٹانے تھے۔ ہرمن صبح جلدی کام پر چلا جاتا اور شام کو دیر سے لوٹتا۔ امالیا کھانا پکانے، صفائی کرنے، کپڑے دھونے اور سینے پرونے میں جتی رہتی ـــــــــ

گرمیوں کی ایک شام کو امالیا گھر کی دہلیز پر بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔ ہرمن گھر پر نہیں تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر دیکھا، تین قبائلی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اگر اسے آنے والے بچے کا خیال نہ آ جاتا تو شاید وہ بے ہوش ہو جاتی۔ بچے کے خیال نے اس کی ہمت میں اضافہ کر دیا۔

وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ ہنس پڑے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے خوفزدہ ہونے پر ہنسے ہوں۔ پھر وہ اندر داخل ہو کر بڑی ہوشیاری سے گھر کی تلاشی لینے لگے۔ انہوں نے برتنوں اور برات نوں کی بھی تلاشی لی۔

امالیا کے پاس ایک ہی میٹھی چیز تھی اور وہ تھی راب ——— وہ
اس قیمتی راب کا بھی کچھ حصہ چٹ کر گئے۔ ان میں سے ایک خوابگاہ
میں سے تکیہ اٹھا لایا، یہ دیکھنے کے لیئے کہ اس میں کیا ہے۔ انہوں
نے اسے ادھیڑ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے تکیہ میں بھرے ہوئے
پَر کمرے میں برف کے گالوں کی طرح اڑنے لگے۔ پھر ان پر
ایک عجیب سی چیز کا انکشاف ہوا۔ اور ہونٹوں پر لگی ہوئی راب
سے جو بھی پَر چھوتا، وہیں چپک جاتا۔ دیر تک وہ بچوں کی
طرح کھیلتے رہے۔

پھر انہوں نے راب اٹھائی اور اسی طرح اچانک غائب
ہو گئے جس طرح آئے تھے۔ ہرمن کو جب اس قصے کا علم
ہوا تو اس نے بتایا کہ وہ لوگ پانیز ہوں گے۔ اس کے
خیال میں اس قبیلے سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
لیکن امالیا کے لیئے تو قبائلی قبائلی ہی تھا۔ زندگی بھر وہ ان
غازہ ملے چہروں سے ڈرتی رہی تھی۔

دوسرا موسم خزاں آیا اور گیاہستان میں جھکڑ چلنے لگے۔ نومبر کی ایک
یخ بستہ رات کو امالیا کو پتہ چلا کہ بچے کی پیدائش کا وقت قریب
آ گیا ہے۔ ہرمن نے گھوڑے پر زین کسی اور بوڑھی
آگستا شافر کو بلانے چل پڑا۔

گھوڑے کی ٹاپ معدوم ہوتے ہی امالیا درد اور اس نئی اور
عجیب سی آزمائش کے خوف سے تڑپنے لگی۔

پھر اسے بھیڑیوں کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ اسے وہ
بات یاد آئی جو اس نے ان کے متعلق سن رکھی تھی۔

بھیڑیئے دو ہی موقعوں پر مکانوں کے قریب آتے ہیں، پیدائش یا موت ـــــــ خون اسکی رگوں میں جم سا گیا۔ آندھی سے جب دروازہ کھڑکھڑایا تو اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ آیا دروازہ مضبوط ہے یا نہیں ـــــــ

بھیڑیوں کی چیخیں اور آندھی کی سان سان اسے مسلسل سنائی دیتی رہی پھر اس کی اپنی چیخیں اس شور پر غالب آگئیں۔ جب اسے دوبارہ بھیڑیوں کی چیخیں سنائی دیں تو ان کے ساتھ اسے ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز بھی آئی ـــــــ برمن اور بلوڑھی اکستا پہنچ گئے تھے۔

ایک نوزائیدہ بالک کو پہلو میں لٹائے ہوئے امالیا کو وہی احساس ہو رہا تھا جو ہر نوجوان ماں کو ہوتا ہے یہی کہ اس ننھی سی جان کے سوا، جو اس کے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا ہے، دنیا کی کسی بھی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ بچہ، جسکا نام ایمل تھا نہایت تیزی سے بڑھنے لگا۔ وہ جب اسکی بانہوں میں ہوتا تو امالیا ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتی جہاں سکھ تھا، شانتی تھی۔ اگر کبھی برمن اس پر یا ننھے ایمل پر بگڑتا تو وہ چپکے سے اس "حجرے" میں چلی جاتی جہاں اسکی یادیں دفن تھیں ـــــــ

۱۵
پندرہ

قبیلے کے ہر شخص کو کڑی مشقت کرنی پڑ رہی تھی۔ انہیں ہزاروں کام کرنے تھے۔ تڑکا ہوتے ہی وہ کام میں لگ جاتے اور پھر اندھیرا ہونے کے بعد ہی ان کے ہاتھ رکتے۔ گیاہستان کی کنواری دھرتی میں ہل چلا چلا

کر اسے کاشت کے قابل بنایا گیا۔ بیج ڈالنے کا کام دھیرے دھیرے ہاتھ سے کیا گیا۔ سخت محنت کے باوجود فصل بہت کم رہی۔ بارش نہیں ہوئی آگ جلانے کے لیے جنگل کے ان درختوں کو کاٹنا پڑا جو دریا کے کنارے کنارے اُگے ہوئے تھے کٹے ہوئے درختوں کی جگہ نئے پودے لگانے پڑے۔ مکانوں کے شمال کی طرف نئے پیڑ اگائے گئے تاکہ آندھیوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ نئی ریلوے لائن کے توسط سے پھل دار درختوں کے پودے منگوائے گئے جنہیں ہر گھر کے پاس لگا دیا گیا۔

قبائلیوں سے انہیں ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ عناصر فطرت کے ساتھ انہیں ہر وقت برسرِ پیکار رہنا پڑتا تھا۔ برف، گرمی، سردی، سیلاب ــــ نیبراسکا کے اس حصے میں کامیاب ہونے کے لیے جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ دانشمندانہ منصوبہ بندی کی بھی ضرورت تھی ـــــ گیبارٹ، کرائسٹر، شافر اور دوسرے گھرانوں کے پاس مطلوبہ قوتوں کی کمی نہ تھی۔ عورتیں بھی اپنے حصے کا پورا کام کرتی تھیں کپڑے دھونا، کھانا پکانا، صابن، بنانا، جنگلی پھل چننا، سینا پرونا، باغبانی، بیج ڈالنا اور آلو چننا ان کے فرائض میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ بچوں کی پرورش بھی ان کے ذمے تھی۔ ان بچوں کی جنہیں اپنی ماؤں کی موت کے بعد ان کی جگہ سنبھالنی تھی۔

ان کے سامنے پھیلا ہوا... یہ ویران اور سونا گیا ہستان ہر وقت اس تاک میں رہتا کہ طوفان، سیلاب، قبائلیوں یا آگ کی مدد سے انہیں شکست دے سکے۔

وہ لمحہ جب ان کے چھکڑے دریا کے کنارے رکے تھے پانچ برس پیچھے رہ گیا تھا ــــــــــــــ

ننھا ایتل اب چار برس کا ہو گیا تھا۔ امالیا کی تمام تر محبتیں اس

تندرست و توانا اور گول مٹول سے چہرے والے بچے پر نچھاور ہو رہی تھیں —
وہ چاہتی تھی کہ اسکا بیٹا پادری بنے — عالم تصور میں وہ اسے سیاہ سوٹ میں ملبوس گرجا میں وعظ کرتا دکھائی دیتا — وہ شہر میں جاکر تعلیم حاصل کر لیتا۔ پھر وہ کہا کرتا "میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی وجہ سے ہوں"
ایک بار اس نے ہرمن سے اپنے خوابوں کا ذکر کیا۔ "ہومز ڈار فر گھرانے میں آج تک کوئی پادری نہیں ہوا — ہم لوگ زمین میں ہل چلانے کے لیے پیدا ہوتے ہیں"

یہ اس موسم خزاں کا ذکر ہے جب آباد کاروں کو یہاں بسے چھ برس ہو گئے تھے۔ ستمبر کی ایک گرم سہ پہر کو جنوب سے آتے ہوئے جھکڑ یا گیاہستان میں دندنا رہے تھے۔ ہرمن سٹالز گھرانے کے فارم پر ولہیم کی مدد کرنے گیا ہوا تھا۔
امالیا آتشدان کے پاس بیٹھی کام کر رہی تھی۔ کہیں سے کچھ جلنے کی بو آ رہی تھی لیکن امالیا کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ یہ بو کہاں سے آ رہی ہے۔
وہ ایل کو دیکھنے کے لئے دروازے پر آئی تو اسے پتہ چلا کہ یہ بو تو باہر سے آ رہی تھی۔ یہ دھوئیں کی بو تھی جو کہیں بہت دور سے آ رہی تھی۔ اسی لیے اس نے ہرمن کو دیکھا جو گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے گھر کی طرف آ رہا تھا۔
خوفزدہ ہو کر وہ باہر کی طرف بھاگی اور ایل کو آوازیں دینے لگی۔ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ دیوانی ہو کر ادھر ادھر بھاگنے اور ایل کو آوازیں دینے لگی۔ دو سمتوں میں حد نظر تک پھیلا ہوا گیاہستان تھا، تیسری سمت میں اناج کے کھیت تھے اور چوتھی طرف جنگل اور دریا تھا۔
ہرمن پہنچ چکا تھا۔ "گیاہستان میں آگ!" وہ چلایا۔ اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی "بچہ۔ وہ یہاں نہیں ہے بچہ"
"نہیں — ہمیں اسے ڈھونڈنا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ گیاہستان کی آگ میں جل

مرسے، اسے ڈھونڈ نکالو۔"

گھوڑے پر سوار فرنٹنز کراتنز گھرانے کے پاس سے گزر رہا تھا۔ برسوں بعد گرجا کے مینار میں ایک گھنٹہ لگا ہوگا جو اس قسم کے موقعوں پر بجایا جائے گا۔ لیکن ابھی نہیں ..... فی الحال تو یہ خبر فرنٹز ہی کو پہنچانی تھی۔

امالیا پہلے تو پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی اناج کے کھیتوں کی طرف گئی۔ "ایمل ـــــ میرے بچے۔ اپنی ماں کو جواب دو۔"

لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی ـــــــــــــــ

اسے گھر کے پاس دوبارہ ڈھونڈنے کے لیئے وہ پھر واپس بھاگی پھر وہ دریا کی طرف دوڑی۔ "ایمل ۔ میرے لاڈلے!"

دریا کے کنارے وہ اِدھر اُدھر بھاگتی رہی اور پھر گھر کی طرف واپس دوڑی۔ اسکے بال کھلے ہوئے تھے، سکرٹ پھٹ چکی تھی ـــــ سیاہ دھواں اسے اب صاف نظر آرہا تھا۔ ہوا میں جلنے کی بو پھیل گئی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ راتنز گھرانے کے مرد باہر نکل کر ہل چلانے لگے ہیں تاکہ زمین الٹ پلٹ جائے اور آگ کو بڑھنے پھیلنے کے لیئے مزید غذا نہ مل سکے۔

وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی، بچے کو آوازیں دے رہی تھی تلاش کے لیئے اس کے پاس کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا۔ وہ بالکل بدحواس تھی ـــــــــــ سیاہ دھواں اب ایک بہت بڑے سیاہ کتے کی طرح لگ رہا تھا۔ باؤ لا کتا جس کی سرخ زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ فرنٹز واپس آرہا تھا۔ وہ اسکی طرف بھاگی۔ عورتیں بھی گھروں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچ گئی تھیں تاکہ اگر آگ صاف کی ہوئی زمین سے بھی ادھر آجائے تو اسے بجھانے میں مدد کر سکیں۔

فرٹنز، ہرمن اور عورتیں بھی بچے کو تلاش کرنے لگیں۔
"اس کا چھکڑا کہاں ہے؟" فرٹنز نے پوچھا۔
وہ چھکڑا بھی نہیں تھا جو فرٹنز نے اس کیلئے بنایا تھا۔
"جہاں چھکڑا ہو گا، بچہ بھی وہیں ملے گا" فرٹنز نے کہا۔ امالیا اس سے متفق تھی۔ فرٹنز نے اسے ڈھونڈ نکالا۔ اناج کے کھیت میں وہ اپنے چھکڑے کے پاس سویا ہوا تھا۔
وہ ایک بہادر عورت کی طرح امالیا آگ بجھانے میں جُت گئی۔ ممنونیت کے احساس نے اسے ایک عجیب سی طاقت بخش دی تھی
جب آخری شعلہ بھی بجھ گیا تو انہوں نے جنوب کی طرف دیکھا جہاں حد نظر تک ویرانی اور سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ اس آگ سے آبادکاروں کے ذہن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈر بیٹھ گیا۔
پھر سردیاں آگئیں۔ مکان کے چاروں طرف برف کا سمندر پھیل گیا۔ برف صاف کرکے ہرمن نے اپنا کرائنسر کے گھر اور گرجا تک پہنچنے کے لیے راستہ بنالیا۔ کرسمس آئی اور گرجا میں کرسمس کے گیت گائے جانے لگے۔ کرسمس کے سبز درخت کو دیکھ کر ننھے ایمل کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔
سردیوں بھر امالیا صابن بنانے کے لیے چربی کے ایک ایک ٹکڑے کو سنبھال کر رکھتی رہی تھی۔ جونہی گیاہستان میں بہار آئی وہ اپنی لوہے کی اس بڑی کیتلی کو نکالے گی جو اس نے بڑی توجہ اور محنت سے بنائی تھی اور صابن بنانے کی تیاری شروع کردے گی۔ ابلتے ہوئے صابن کی مہک اسے بڑی بھلی لگتی تھی۔ گیاہستان میں چلنے والی تند ہواؤں کی طرح صاف اور خوشگوار ــــــــ دل ہی دل میں وہ سوچنے لگی کہ آج کی امالیا الی نائیس کی نوجوان امالیا سے اس حد تک مختلف ہے کہ وہ کوئی اور ہی لڑکی

معلوم ہوتی ہے۔ بہار اصابن بنانے کی ترت اور پہلے مرغزار کے لوے کا گیت اس کے دل میں ہمیشہ گمشدہ محبت کی یاد تازہ کر دیتے تھے ـــــ

سولہ ۱۶

یہ ۱۸۷۲ء کا ذکر ہے۔ بیتھیاس پیٹر کی ذات نئے دارالخلافہ یعنی لنکن شہر کا ایک جزو بن گئی تھی۔ شہر کی وسعت اور اہمیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ یہاں اب دو ریلوے لائنیں اور تقریباً ایک درجن دکانیں تھیں، کئی ڈاکٹر اور کم از کم بیس وکیل تھے۔ پاگلوں کا ہسپتال اور جیل خانہ بھی موجود تھا۔ مردوں کو دفنانے کے لئے بھی جگہ تھی جسے "دیوکا" کہا جاتا تھا۔ دیوکا قبائلی لفظ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے، لیٹنے اور سونے کی جگہ۔

کانگرس کے اجلاس کی عمارت بڑی تیزی سے مکمل ہوئی۔ اسکے لئے لکڑی اپوا سے اور پتھر نیبراسکا اور پلیٹس موتھ سے منگوائے گئے۔ ساخت میں یہ اوپر کچھ زیادہ بنی ہوئی، بھاری بھاری سی نظر آتی تھی اور تنہا کھڑی تھی۔ اسکے چاروں طرف گیاہستان پھیلا ہوا تھا جس میں کوئی درخت نہیں تھا۔ اور جسمیں گائیں شروع بہار کی گھاس چرتی رہتی تھیں۔

میٹر، تیز اور رکو لنکر کے یہاں جوتے، شراب اور چینی، کافی، ریشے، کھیلوں کی دو تین قسمیں، تمباکو، کپڑا، انڈے اور مکھن بکتا تھا۔ شہر میں اب دو بنک تھے، دس گرجے موجود تھے۔ ایک یونیورسٹی بھی تھی۔ پوری یونیورسٹی ایک ہی عمارت پر مشتمل تھی جسکی پہلی منزل پر کلاس روم

تھے اور اوپری منزل پر طلباء کے سونے کے لیئے ایک کمرہ بنا تھا۔

میتھیاس اب سنتالیس برس کا ہو گیا تھا۔ وہ صبح سویرے ہی کام پر چلا جاتا اور شام کو دیر سے لوٹتا۔ وہ جس مکان میں رہتا تھا وہاں اور بھی کئی نوجوان تاجر رہتے تھے۔ وہ ہر اتوار کی صبح کو گرجا چلا جاتا تھا۔ اگر گرجا جانے میں روح کی شناستی کے علاوہ کاروبار کی ترقی بھی اسکے پیش نظر ہوتی تھی تو اسمیں کوئی نئی بات تو نہیں۔ اس سے پہلے بھی تو لوگ ایک سے زیادہ مقصد کے تحت گرجا جاتے رہے ہیں۔

نوجوان عورتوں سے اسکے تعلقات رسمی اور کاروباری حدود سے کبھی نہ بڑھ سکے۔ اس کا تن من میٹرز اینڈ کولنز سٹور کے لیئے وقف تھا۔ اگر اسے اب امالیا کا خیال نہیں آتا تھا تو کوئی اور لڑکی بھی اسے اپنی طرف ملتفت نہیں کر سکی تھی۔

اسے یہ جان کر واقعی تعجب ہوا کہ اسکی آواز بڑی سریلی تھی۔ کچھ ہی دن بعد اسے گرجا کے سرود خوانوں کی ٹکری کے ساتھ گانے کیلئے کہا گیا۔ اس واقعہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مس ایڈا کارٹر لنکن میں اپنا ذاتی سکول کھولنے کے لیئے وہاں پہنچ گئی۔ اس سے بھی گرجا کی ٹکڑی کے ساتھ گانے کی فرمائش کی گئی۔ مشق کے لیئے گویوں کو اکثر آنا پڑتا تھا۔ ایسی ہی ایک نشست کے بعد میتھیاس مس کارٹر کو گھر پہنچانے کے لیئے اسکے ساتھ ہو لیا۔ یہ پروگرام محض اتفاق سے بن گیا تھا۔

مس کارٹر خوبصورت نہیں تھی لیکن خلیق اور خوش پوش ضرور تھی۔ اسکی سیاہ آنکھیں البتہ دلکش تھیں۔ ظرافت کا مادہ بھی اسمیں بدرجہ اتم موجود تھا۔ گرجا کی سیڑھیاں اترتے ہوئے میتھیاس نے اسکا بازو تھام لیا۔ تاریک گلیوں میں سے گذرتے ہوئے بھی وہ اس کا بازو تھامے

رہا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس سے اسکے جسم میں کسی قسم کا ہیجان پیدا نہیں ہوا تھا۔ پھر نہایت رسمی انداز سے اسے شب بخیر کہہ کر وہ اس سے الگ ہو گیا۔

اسکی وجہ اسکی سمجھ میں نہ آسکی لیکن اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اسنے وہ صندوق کھولا جسمیں وہ اپنے کاغذات رکھتا تھا اور امالیا کا خط نکال کر پڑھنے لگا۔ مدت سے اسے امالیا کا خیال نہیں آیا تھا۔ وہ اب کسی اور کی ہو چکی تھی۔ زندگی بھر وہ اسکی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسکے باوجود خط کو دیکھتے ہی اس کے جذبات میں ہلچل مچ گئی۔ حالانکہ ان نوجوان عورت کا گرم و گداز لمس بھی اسکے جذبات میں ایسا ہیجان پیدا نہ کر سکا تھا جسے وہ ابھی چھوڑ کر آرہا تھا۔

پھر دفعتاً امالیا کو پا لینے کی زبردست خواہش اسکے انگ انگ میں سرایت کر گئی۔ پچھلے کئی برسوں سے اسپر اس قسم کا جنون طاری نہیں ہوا تھا۔ پیاری امالیا! اس خط کے سوا اسکے پاس امالیا کی کوئی یادگار نہیں تھی۔ بالوں کا کوئی گچھا، تصویر یا سکارف یا ہوا پھول ——— ایسی کوئی چیز بھی تو نہیں تھی اسکے پاس ——— بس ایک خط اور یادیں ——— اس کی آنکھوں کی نیلاہٹیں اور گالوں کی گلابی رنگت ایک بار پھر اس کے ذہن میں ابھری، ایک بار پھر اسے اس جسم اور ہونٹوں کی نرم ملائمت کا احساس ہوا ———

وہ اب کہاں ہو گی؟ کیا وہ بھی کبھی اسے یاد کرتی ہو گی؟ جانے اسکے جرمن شوہر اور زمانے نے اسکے ساتھ کیسا سلوک کیا ہو؟ اور پھر شاید سویں بار اس نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ دیر سے کیوں پہنچا تھا۔ سبھی کشتیاں بروقت منزل مقصود پر پہنچ جاتی تھیں لیکن اسکی کشتی ریت میں

دھنس گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس نے ایک بار پھر کچھ اسطرح خط کی طرف دیکھا جیسے وہ ابھی بول پڑے گا۔ "شاید یہی مناسب ہوگا کہ ہم بہار کے ان لمحوں کو، جو ہماری محبت کے امین ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے دل میں محفوظ کر کے صبر کر لیں۔"

۱۷
سترہ

اگرچہ تھیاس کے نزدیک سابیدا کارٹر ایک شائستہ قسم کی نوجوان عورت کے سوا کچھ بھی نہیں تھی پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ اگلی شام موسیقی کے اختتام پر اسکا جی چاہا کہ وہ اسے گھر تک چھوڑ آئے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ امالیا سے بالکل مختلف تھی پھر بھی اسمیں کوئی بات ایسی ضرور تھی جو تھیاس کو بھلی لگی تھی۔

کرسمس آتے آتے گھر تک کی یہ سیر اُنکا معمول بن چکی تھی اور فروری آئی تو یہ حالت ہو گئی کہ تھیاس میٹرا و مس ایبدا کارٹر جہاں بھی جاتے لکھنے ہی بیٹھے وہ منتظر رہتا کہ کب اس سے بات چیت کا موقعہ ملے۔ انسانی نفسیات سے وہ اتنی تک واقف تھی کہ تھیاس کو اس سے ملکر ایک عجیب سی تسکین کا احساس ہوتا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ اسکی رائے کا منتظر رہتا ہے۔ وہ اس سے اپنی کاروباری الجھنوں کا ذکر کرتا اور اس سے پوچھتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی وہ اپنے آپ سے کہتا کہ اگر یہ محبت ہے تو پھر محبت کی کوئی الوکھی قسم ہوگی۔

۱۸۷۳ء کے ایسٹر والے اتوار کو، جب موسم بڑا خوشگوار تھا اور ہر شخص اپنے بہترین کپڑوں میں ملبوس تھا، تھیاس کے ذہن میں کچھ تبدیلیاں سی ہوئیں۔ اس نوجوان عورت کے لئے جو گرجا میں اسکے سامنے بیٹھی تھی اس کے دل میں پیار کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ اس نے اسکے خوبصورت چہرے، سیاہ بالوں اور دلکش لباس کی طرف دیکھا اور

دل ہی دل میں اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ کانگریس کے اجلاس کی عمارت کے پاس اپنا اپنا مکان بنائیگا۔ اپنے کاروبار کو فروغ دیگا شہر بھی اور زیادہ ترقی کریگا۔ اس شہر کو چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جائیگا۔ ایڈا کی ذات اسکے لئے باعث فخر ہوگی۔

عبادت کے بعد اسنے اس سے کہا۔ "میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ایڈا" لوگ ابھی تک چاروں طرف کھڑے تھے۔ اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کو صبح بخیر کہتے ہوئے ایڈا نے جواب دیا! "کیا کہہ رہے ہو بینٹ؟ مجھے تمہاری بات سنکر تعجب ہوا۔ کیا تم سچ مچ مجھ سے پیار کرتے ہو بینٹ؟"

رات ہوتے ہی برف کا وہ شدید طوفان شروع ہوگیا جو ۱۸۶۴ء میں البیٹہ کے دن آیا تھا۔ بغیر اسکا کی پوری ریاست میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جسکے لئے یہ طوفان غیر متوقع نہ ہو۔ بینٹ اس ابھی تک ایڈا کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے اپنے آنے والے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے باتیں کر رہے تھے۔ "کیا میں وہ اکیلی لڑکی ہوں بینٹ جس سے تم نے پیار کیا ہے؟" ایڈا نے سوال کیا۔ وہ کچھ اسطرح ہنس رہی جیسے اسنے کوئی لطیفہ سنا ہو۔ ایڈا ابھی ہنسی، لیکن کچھ اسطرح جیسے اپنے آپ پر ہنس رہی ہو۔ "میں جانتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے پہلے بھی ایک لڑکی...... میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں بینٹ ——— میری خوشی تو اسی میں ہے کہ میں اس محبت کی تفصیلات سے بے خبر رہوں لیکن .... کیا حرج ہے بتاؤ تو ———"

"بتانے کیلئے بہت کچھ ہے کچھ نہیں ایڈا ڈیئر ——— یہ برسوں پہلے کا واقعہ ہے۔ تب میری عمر صرف اکیس برس تھی۔ کوئی چیز ہمارے درمیان حائل ہو گئی ۔۔۔ اس کے بعد میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آجکل وہ کہاں رہتی ہے حالانکہ وہ اسی ریاست میں

—— کیا ہستان میں یہاں سے کافی دور ۔۔۔۔۔۔ اسکی شادی ہو چکی ہے۔ میں اسکی شادی کے بعد کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں ۔۔۔۔" اتنا کہہ کر وہ اس شائستہ سی لڑکی کو دیکھ کر مسکرایا جو اسکے پہلو میں بیٹھی تھی۔ پھر اس نے اپنا بازو اسکی کمر کے گرد حائل کر دیا۔ "بھولی بسری محبت کے بارے میں تمہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ایما ۔۔۔۔ نہیں ہے نا؟"

۱۸
اٹھارہ

وادی میں بھی ایسٹر کا تہوار منایا گیا —— ابکی سردیوں میں برف بہت کم پڑی تھی۔ امالیا بڑی باقاعدگی سے گرجا جاتی رہی تھی۔ ہفتے میں ایک سہ پہر وہ اینا کرانتسر کے یہاں گذارتی تھی۔ یہ نشستیں سلائی کے کام کے لیئے مخصوص تھیں۔ امالیا کی اور اینا کی شادی ایک ہی دن ہوئی تھی تقریباً سات برس پہلے شیر اسکا سٹی کے قریب گرجا گھر کے پاس دونوں کی شادیاں ہوئی تھیں۔ اینا نے اسی ہفتے چوتھے بچے کو جنم دیا تھا لیکن امالیا کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ آج صبح ہی ہرمن اس سے کہہ رہا تھا کہ اگر کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے انکے یہاں اور بیٹا نہ ہوا تو اسے مزید زمین نہیں مل سکے گی۔ "ایمل تو پادری بنے گا" امالیا نے جواب دیا تھا۔

"ہاں مزدور ادھر ادھر گھرانے کے لوگ ہمیشہ کھیتی باڑی کرتے رہے ہیں" ہرمن بہت غصے میں تھا۔ "پادری بننے کیلئے اور بہت سے ہیں میرا بیٹا تو کام کریگا" دروازہ کھلا تھا کیونکہ اتنی سردی نہیں تھی۔ جنوب سے آنیوالی تیز ہوائیں چل رہی تھیں "ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے" ہرمن نے کہا۔

"ہاں ہریالی اور حسن۔" امالیا نے لقمہ دیا ——————

"حسن وسن کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں" اس نے درشتی سے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اسکے سامنے خوبصورت چیزوں کا ذکر بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔ لیکن ننھی ایمل سے امالیا ہمیشہ خوبصورت چیزوں کا ذکر کرتی رہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بدصورت چیزوں کے ساتھ ساتھ وہ خوبصورت چیزیں بھی دیکھے۔ اسکی خواہش تھی کہ اسے ہرا بھرے ہوئے پودے اور خودرو پھول میں خدا کا جلوہ نظر آئے۔

آج ہرمن اور ولہیم کو انگریزوں کے کھیتوں پر جانا تھا جو یہاں سے تقریباً سات میل دور تھے۔ وہاں وہ گھوڑے خریدنے جا رہے تھے۔ ان کے جاتے ہی بارش شروع ہوگئی اور موسم سرد ہوگیا۔ فارم کے مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے فرٹز وقت سے پہلے ہی آگیا۔ "اگرچہ اسکا موسم گذر چکا ہے پھر بھی مجھے یوں لگتا ہے کہ آج برف کا طوفان آئیگا۔" وہ بولا۔ ایمل کے سوتے ہی واقعی طوفان شروع ہوگیا۔ امالیا کو اپنے والد کی فکر بالکل نہیں تھی اسے یقین تھا کہ وہ رات کو انگریز معاون داروں کے یہاں رک جائینگے۔ وہ ایمل کے ساتھ لیٹ گئی لیکن طوفان کی سائیں سائیں اور گرج کی وجہ سے اسکا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

صبح ہر چیز عجیب اور سپید سپید سی لگ رہی تھی۔ بستر چمکتی ہوئی برف سے ڈھکا تھا۔ اس نے کپڑے پہنے اور ٹھنڈی سُن انگلیوں سے آتشدان جلانے لگی پھر اس نے ہرمن کا ایک پرانا کوٹ پہنا تاکہ مویشیوں کو چارا ڈالنے کیلئے باہر نکل سکے۔ دروازہ کھولتے ہی طوفان کسی سپید جانور کی طرح اندر گھس آیا۔ ہوا خود برف معلوم ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے دروازہ کو کھینچ کر بند کرنے کے بعد اس نے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ وہ پھسل گئی

برف میں دھنستی چلی گئی۔ ایک ہاتھ سے تو اس نے بدستور دروازے کو پکڑے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اسے اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ یونہی کھڑی رہی۔ اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن اسے ڈھوکابوں کا دودھ بھی دوہنا تھا۔ اور مرغیوں کو دانا بھی ڈالنا تھا۔ اس نے دروازے سے ہاتھ ہٹا لیا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ برف میں دھنس گئی۔ وہ پیچھے دروازے کی طرف بڑھی لیکن برف بھرے خلا کے سوا اسکے ہاتھ کہیں نہ پہنچ سکے۔

۱۹

انیس

"میں گھر کے دروازے سے چار فٹ دور بھی نہیں ہوں" اما لیا نے اپنے آپ سے کہا "دروازہ ـــــ نہیں یہاں یا وہاں کہیں ہونا چاہیے" لیکن یہ وہاں بھی نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مکان کہیں غائب ہو گیا ہو۔ ایک ہی خیال اسکے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔ اسکا بچہ ـــــ اسے ننھے ایمل تک پہنچنا ہی چاہیے جسے وہ گھر میں اکیلا چھوڑ آئی تھی۔ وہ گری، سنبھلی اور ایک طرف کو سرکنے لگی۔ پھر وہ دوسری طرف رینگنے لگی۔ اسکے ہاتھ دیوار تک پہنچ گئے! ٹھوس اور مضبوط دیوار ـــــ خدایا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ لیکن دروازہ اسے اب بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

دیوار کو ٹٹولتی ہوئی وہ نہایت احتیاط سے آگے بڑھنے لگی۔ اب وہ ہرگز دیوار سے ہاتھ نہیں ہٹائے گی جہاں برف کندھوں تک ہوتی وہاں وہ کبھی نہ کسی طرح آگے بڑھنے میں کامیاب ہو ہی جاتی

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے برف کے اس پہاڑ سے وہ کبھی باہر نہیں نکل سکے گی۔ وہ مکان کے سرے پر پہنچ گئی۔ اب اسے ایک اور طرف راستہ بنانے کی جد وجہد کرنی تھی۔ بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ ہی گئی۔ اپنی بچی کھچی قوتوں کو سمیٹ کر اسنے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئی اور پورا زور لگا کر اسے بند کر دیا تاکہ اس سفید نام پاگل دیو کی دست درازیوں سے محفوظ ہو سکے۔ اندر پہنچتے ہی اسے سب سے پہلے جس بات کا احساس ہوا وہ یہ تھی کہ ایمل اسے پکار رہا ہے اور وہ اب فرش پر کھڑی ہے۔ جہاں اسکے کپڑوں سے گری ہوئی برف کی چادر سی بچھ گئی تھی۔ طوفان سارا دن اور ساری رات جاری رہا۔ امالیا لکڑی کو بچا بچا کر رکھتی رہی تھی لہٰذا ایندھن کا اچھا خاصا ذخیرہ اسکے پاس موجود تھا۔ دوسرے روز سہ پہر کے وقت وہ ایمل کو اپنی گود میں لیکر بستر پر لیٹ گئی۔ سردی سے بچنے کیلئے دونوں سر سے پاؤں تک کپڑوں میں ملبوس تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کمبل بھی اوڑھ رکھا تھا۔ کئی بار اسے اپنے والد اور ہرمن کا خیال آیا۔ وہ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ ان کے روانہ ہونے سے پہلے ہی طوفان شروع ہو گیا ہوگا۔

تیسرے روز حد نظر تک پھیلی ہوئی سپیدیوں پر سورج طلوع ہوا فرٹز کو امالیا کے گھر تک پہنچنے میں آدھا دن لگ گیا۔ وہ کچھ ایسی ہی کہانیاں سنا رہا تھا۔ جو امالیا کے نزدیک کسی طرح بھی قابل یقین نہیں تھیں بڑے دریا کے کنارے اگے ہوئے درخت نظر ہی نہیں آتے بس ندی کے کنارے کنارے ایک سفید سی دیوار دکھائی دیتی ہے۔ گیاہی پرندے جا بجا برف سے اکڑے پڑے ہیں۔ گھر کے پاس کئی جنگلی جانور بھی مرے پڑے ہیں۔

وہ بھی اس بات پر متفق تھا کہ ان لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے ہی طوفان شروع ہو گیا ہوگا۔ تاہم دونوں دل ہی دل میں محسوس کرتے تھے کہ وہ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ اگلے روز لمڈک رودن باش اور آگست شافر نے ولیم شالرنگ کو اپنے چھکڑے کے پاس پڑا پایا۔ وہ زندہ تو تھا لیکن اسکے دونوں پاؤں مفلوج ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس کے دونوں پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ کرائسٹر گھرانے کے لوگ اپنے گھوڑوں کو تلاش کر رہے تھے کہ اس تلاش کے دوران میں انہیں ہرمن کی لاش ملی جسے وہ اٹھا کر امالیا کے پاس لے آئے۔ کئی دن تک امالیا پر سکتے کی سی کیفیت طاری رہی۔ جو کچھ ہوا تھا اسے اس کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ عورتیں ایک دوسرے کے کان میں کہہ رہی تھیں کہ اگر یہ نہ روئی تو پاگل ہو جائیگی قبر کے پاس کھڑے کھڑے امالیا سوچتی رہی کہ ہرمن کون تھا؟ ایک مرد جسکے گھر کی دیکھ بھال اسکے ذمّہ تھی جسکے لیئے وہ روٹیاں پکاتی تھی اور جس کے پہلو میں وہ ...... پھر دفعتاً اسے ایمل کا خیال آیا جسکا ننھا سا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تین روز بعد اسکے والد کا انتقال ہو گیا۔ موت ایک ایسے آدمی کیلئے واقعیٔ بڑا کٹھن مرحلہ تھی جو زندگی بھر نہ صرف اپنی مرضی کا مالک رہا ہو بلکہ جسکے حکم کے سامنے سبھی سر جھکاتے رہے ہوں۔ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی وہ ان وسیع اختیارات سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تھا جو اسے اپنے بچوں پر حاصل تھے۔

"تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا فرٹنز" فرٹنز نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس نے ہمیشہ یہی کہا تھا۔

"تم کبھی شادی نہیں کرو گے ـــــ امالیا اور ننھے ایمل کی دیکھ بھال کرنے کیلئے تم ہمیشہ کنوارے رہو گے"

یہ بڑا کٹھن وعدہ تھا۔ فرٹز بائیس ۲۲ برس کا نوجوان تھا جسکی رگوں میں
گرم خون دوڑ رہا تھا۔ اب وہ ہر اعتبار سے شادی کے قابل تھا۔ یہی
نہیں۔ بلکہ وہ ھینی رودن باش سے محبت بھی کرتا تھا۔ یہ لڑکی جوانی ہی میں
بیوہ ہو گئی تھی اور اسکا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ "لیکن اگر امالیا نے دوبارہ
شادی کر لی تو؟" "پھر تم بھی کر لینا۔ لیکن امالیا کو اپنے اس قول کے متعلق
کبھی نہ بتانا۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنی پتھرائی ہوئی آنکھیں اپنے بیٹے پر
گاڑ دیں ——— وعدہ کرو!" "میں وعدہ کرتا ہوں۔" ولہیم کو دفنانے
کے بعد گرجا کے پاس چار قبریں ہو گئیں۔ یہ جگہ بڑی پرسکون تھی، آندھیاں
گرجیں، یا برفباری یہاں کے باسیوں کے آرام میں خلل انداز نہیں ہو
سکتی تھی ——!

بیس

امالیا ایک عجیب سی کیفیت سے گذر رہی تھی۔ اسے یوں لگتا
تھا جیسے اسکے وجود میں ایک نہیں بلکہ دو عورتیں سمائی ہوئی ہیں۔ ایک
تو اصلی امالیا اور دوسری وہ عورت جسے ایک ایسی عورت کا سوانگ
بھرنا تھا جو وہ نہیں تھی۔ وہ بہن اور اپنے والد کی موت پر روئی تو
تھی لیکن یہ حادثہ اسکے دل کی گہرائیوں کو نہیں چھو سکا تھا۔ گھر پر چھائے
ہوئے موت کے اثرات اور ناگہانی صدمے سے اسکے دل کو دھکا تو
ضرور لگا تھا لیکن چند روز بعد اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اسکے اندر

جیسے کوئی چیز آزاد ہوگئی ہو۔ اگر کسی کو اس بات کا پتہ چل جاتا تو یقیناً شرم سے زمین میں گڑھ جاتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہرمن سے آسمان سر پر اٹھانے والے احکام اور اسکی جابرانہ گرفت اور اپنے والد کے رعب اور دبدبہ کے خوف کی عدم موجودگی میں وہ اپنے آپکو آزاد محسوس کر رہی تھی۔ ننھے ایمل کا خیال البتہ اسے اداس کر دیتا تھا۔ لیکن وہ سوچتی تھی کہ فرٹنز اور وہ دونوں ملکر اسے ایسی تربیت دینگے کہ وہ انکے حکم کی تعمیل تو کرے لیکن اسکے دل میں انکا خوف نہ ہو ـــــ فرٹنز اور وہ دونوں ملکر ہرمن کی کمی کی تلافی کر دیں گے۔ تلافی کیا وہ تو اسکے لئے کچھ زیادہ ہی کریں گے ـــــ فرٹنز امالیا کے یہاں منتقل ہوگیا ـــــ

"لیکن فرٹنز کو تو اب بیوی کی ضرورت ہوگی" ایلسا رودن باش نے ایک روز کہا۔ اسے اسکی بہن نے بھیجا تھا جو جاننا چاہتی تھی کہ فرٹنز کا کیا ارادہ ہے۔

"نہیں تو ـــــ فرٹنز تو ابھی شادی کا خواہش مند نظر نہیں آتا"۔ امالیا نے جواب دیا۔

گرمیوں کے آخر میں اس نے میتھیاس کا دیا ہوا وہ گھونگروں والا صندوق نکالا۔ جو ابھی تک کپڑے میں لپٹا رہا تھا۔ اس نے اسے ایک ایسی جگہ رکھدیا تھا جہاں اسے سبھی دیکھ سکیں اور تعریف کریں تاہم اس بات کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ صندوقچہ اس کے پاس کہاں سے آیا تھا۔ لیکن فرٹنز نے اسے دیکھتے ہی دفعتاً کہا۔ "امالیا۔ تم بیوہ ہو لیکن جوان بھی ہو ـــــ تم ـــــ تم اب آزاد ہو"۔ یہ بات اسکے ذہن میں بھی آئی تھی لیکن وہ کر ہی کیا سکتی تھی؟

"میری مانو امالیا ـــــ تم ـــــ تم ایک خط لکھو" کون جانے بے

بیچارے فرٹنز کو اسوقت امالیا کا غم ستا رہا تھا یا میتی کا ـــــ امالیا نے نفی میں سر ہلا دیا۔" سات برس کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ اب مجھے اس دکھ بھری اطلاع کے سوا کہ اسکی شادی ہو چکی ہے، کچھ نہیں مل سکے گا۔" ایک روز فرٹنز نے خود ہی خط لکھا اور الی نائیس والی لوہار کی دکان کے پتہ پر پوسٹ کر دیا۔

۲۱
اکیس

۲۰ ستمبر کو لنکن نامی قصبے میں جو دن بدن ترقی کر رہا تھا ـــ ایڈا کارٹر اور میتھیاس کی شادی ہونے والی تھی۔ شادی کے بعد ایڈا کو دکان میں کام کرنا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شادی کے بعد کسی ہوٹل میں رہنے لگیں گے۔ قصبے کا ہر شخص اس شادی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ یہ جوڑا یعنی میتھیاس اور ایڈا جوان بھی تھے اور خوبصورت بھی ـــــ

۵ ستمبر کو میتھیاس کے پاس فرٹنز سٹالز کا خط پہنچا جو اس کے چچا نے الی نائیس سے بھیجا تھا۔ اس نے اس خط کو دھیرے دھیرے اور نہایت احتیاط سے پڑھا۔ سات برس بعد اس لڑکی کی خبر پا کر جس سے وہ پیار کرتا تھا، اسکے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ فرٹنز نے لکھا تھا کہ امالیا اب آزاد ہے لیکن اسے علم نہیں کہ وہ اسے خط لکھ رہا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا اظہار نہیں کرتی لیکن وہ جانتا ہے کہ وہ اب بھی میتھیاس سے پیار کرتی ہے۔ اگر وہ امالیا کو بھول چکا ہے یا اس نے شادی کر لی ہے تو اسے جواب دینے کی مطلق ضرورت نہیں۔ یہ خط وہ صرف اس لیے لکھ رہا ہے

کہ اسکے نزدیک میتھیاس کو یہ اطلاع دینا ضروری ہے کہ ابا لیا اب آزاد ہے اس روز دکان میں کام کرتے ہوئے سارا دن اس خط کی عبارت اسکے ذہن پر مسلط رہی۔ اسکے دل میں طرح طرح کے جذبات ابھر رہے تھے۔ زندگی نے اس لڑکی کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا تھا اسکا احساس اسے اداس کئے دیتا تھا۔ وہ زخم جو اس بھولی بسری محبت کا عطیہ تھے، پھر سے ہرے ہو گئے۔ اسے فریٹنر کے خط لکھنے پر غصہ آ رہا تھا وہ اس بات پر بھی برہم تھا کہ یہ خط اس نے پہلے کیوں نہیں لکھا۔

اس شام ایدا نے محسوس کیا کہ میتھیاس کسی بات پر فکرمند ہے۔ "اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے میٹ تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم اسکے متعلق بات چیت کریں میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں" اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اسے بتا کر اسکا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا! "میتھیاس" اس نے نہایت استقلال سے کہنا شروع کیا لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ اسکے ہاتھ کانپ رہے ہیں "میں ایک بات جاننا چاہتی ہوں۔ اگر ہم دونوں، یعنی میں اور وہ نوجوان عورت، اس کمرے میں ساتھ ساتھ بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہوں تو تم اندر آکر کسکا انتخاب کرو گے؟"

وہ نہایت بہادری سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے سوال کا ردِ عمل جاننا چاہتی تھی اگرچہ یہ کام اسکے لیئے بڑا کٹھن تھا۔

میتھیاس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایدا کی پرخلوص آنکھوں میں جھانکا۔ "ہوں" وہ مسکرایا۔ "تم بھی یہاں ہو، وہ بھی یہاں ہے اور مجھے انتخاب کرنا ہے کہ اس صورت میں دو میتھیاس میٹر اس کمرے میں داخل ہونگے۔ ایک بائیس سالہ نوجوان اور دوسرا میں ——— جو آدمی اسوقت یہاں، تمہارے پاس کھڑا ہے وہ تمہارا ہی انتخاب

کر لیگا۔ لیکن اسکے بعد دیر تک وہ اپنے کمرے میں پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ بالآخر جب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی تو اسے امالیا دکھائی دی سپید اور گلابی رنگت والی پیاری پیاری سی امالیا...... پھر اسے مرغزار کے نرنے کا گیت سنائی دیا۔ وہ بانہیں پھیلائے امالیا کو آوازیں دیتا رہا لیکن وہ جا چکی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس خواب نے اسے بری طرح جھنجوڑ دیا تھا۔ اگلے روز وہ درد اجو اسکے دل میں جاگ اٹھے تھے، اسے بڑے غیر حقیقی سے معلوم ہونے لگے — رات کو اس نے فرانٹز کو جواب لکھنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے امالیا کو لکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی جرمن زبان میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خط جو اس نے لکھے تھے پھاڑ دیئے — اس کے بعد اس سے ایک لفظ بھی نہ لکھا گیا۔

۲۲
بائیس

وادی کے جرمن کسانوں کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ زندگی کی رفتار وہی تھی جو ولہیم سٹالنز اور ہرمن ہومز ڈارفر کی موت سے پہلے تھی۔ ولہیم اور ہرمن دونوں اگر زندہ ہوتے تو شاید یہی کہتے کہ انکی مدد اور ہدایات کے بغیر نو آباد کاروں کا گذارہ مشکل تھا۔ لیکن زندگی تو اپنی بنی تلی رفتار سے بڑھتی ہی رہتی ہے حالانکہ آنے والے کئی برسوں میں اس ریاست کو بڑے سخت مرحلوں سے گذرنا

پڑا پھر بھی آبادکاران دونوں کے بغیر بھی بخیر وخوبی آگے بڑھتے گئے
کہستانی آگ، برف کے طوفان، کیڑے مکوڑے، خشک سالی اور
تباہی ——— ایسی کئی مصیبتیں آئیں اور گذر گئیں ——— فارم میں
پیدا ہونے والی چیزوں کی قیمتیں اسقدر کم تھیں کہ فصل کو منڈی
تک لے جانا کسی طرح بھی سودمند نہ تھا۔ فصلوں کو آتشدان میں
جلانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ حالات اس قدر ناسازگار
تھے کہ بہتوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن سخت محنت اور اپنے انتظام
کی بدولت آبادکار ان کٹھن مرحلوں سے بخیر وعافیت گذر گئے۔

امالیا کیلئے فرٹنر بہت اچھا ساتھی ثابت ہو رہا تھا۔ اسے ایمل
پر ناز تھا۔ وہ اسے بہت سی باتیں سکھاتا رہتا۔ ایک روز امالیا اس
سے کہنے لگی "تم باپ کی حیثیت سے یقیناً کامیاب رہو گے۔ فرٹنر ایک
ایک سمجھدار اور شفیق باپ ...." لیکن فرٹنر نے کوئی جواب
نہ دیا۔ مینی روڈن باش اور کارل شافر کی شادی کے دن فرٹنر اناج
لیکر چکی پر چلا گیا۔ اس نے شادی میں شرکت نہیں کی۔

سات برس کی عمر میں ایمل نے اسکول جانا شروع کر دیا۔ اسکول
جاتے وقت وہ اس سوٹ میں ملبوس تھا جو امالیا نے اپنے والد
کے ایک سوٹ کو چھوٹا کر کے بنایا تھا۔ "اب تم وہ سب کچھ پڑھ
جاؤ گے جو کتابوں میں لکھا ہے۔" امالیا نے اس سے کہا "پھر تم ایک
بہت اچھے پادری بنو گے۔ تمہیں ہر ایک کے ساتھ مروت سے
پیش آنا چاہیے۔ تمہیں یہ بھی پتہ ہونا چاہیے کہ کب اپنی رائے کا
اظہار کرنا ہے۔ تمہیں ہمیشہ راہ راست پر چلنا ہے۔ تمہارا ہر کام اچھا
اور مثالی ہونا چاہیے [illegible] بڑے وقت کبھی ادھورا نہ [illegible]

اور اسکے بعد کوئی ایسی بات نہ کہنا، کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے"

وہ بھلا یہ کیسے کہہ سکتی تھی! "تمہیں وہ سب نہیں کرنا چاہئے جو تمہارا باپ اور تمہارا دادا کرتے رہے ہیں" لیکن دل ہی دل میں وہ جانتی تھی کہ وہ اس کا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے۔

اسکول میں پہلے روز تو ایبل نے بڑے جوش کا مظاہرہ کیا وہ سارا دن شور وغل مچاتا رہا۔ لیکن امالیا اسکی جدائی پر اداس تھی۔ چودہ برس کی عمر میں تو وہ اس سے اور بھی دور چلا جائے گا۔ یوں تو ان تمام برسوں میں سبھی محنت کر رہے تھے لیکن فرنٹز اس معاملے میں سب سے آگے تھا۔ امالیا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر کون سی چیز اسے اتنی محنت کے لیے اکساتی ہے۔ کبھی کبھی وہ اس سے کہتی "کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گے فرنٹز؟" وہ ہنس دیتا "میں لڑکیوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا" عام طور پر وہ یہی جواب دیتا لیکن ایک روز نہایت درشتی سے بولا "یہ تم کہہ رہی ہو!" پھر وہ مڑا اور کھیتوں میں چلا گیا حالانکہ وہ ابھی وہیں سے آیا تھا۔ دیر تک امالیا سوچتی رہی اسنے اس سے ایسی عجیب بات کیوں کہی۔

۱۸۸۸ء تک حالات خاصے بہتر ہو گئے تھے۔ ان بارہ برسوں میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ باغوں کے گرد چند ایک باڑیں لگا دی گئی تھیں۔ اس دوران میں کئی بچے پیدا ہوئے تھے۔ گرجا کے قریب اب چھ قبریں تھیں۔ امالیا بھی بہت بدل گئی تھی۔ اسکے بال جو کبھی سنہرے تھے، اب دھوپ سے سیاہ اور خشک ہو چکے تھے۔ اسکی جلد

کی گلابی رنگت کہستانی آندھیوں سے سرخ ہو گئی تھی۔ فرشتہ اور امالیا نے
اب ایک نیا مکان بنا لیا تھا۔ فرشتہ نے مکان بہت مضبوط اور اچھا بنایا تھا
مکان کی تعمیر میں ایک سال لگا تھا۔ اس میں سبزیاں رکھنے کے لیے تہ
خانہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ ایک بیٹھک، ایک رسوئی اور دو خوابگاہیں
بھی تھیں —— یہ مکان جو ہوالی نائیس کے طرز پر بنایا تھا۔
امالیا کو اس مکان پر بڑا ناز تھا۔ لکڑی کے فرش اس قدر صاف ستھرے
تھے کہ چہرہ نظر آ جائے۔ فرش پر ایک نئی چٹائی بچھا دی گئی جو خود امالیا
نے بنائی تھی۔ اسکے علاوہ دو کرسیاں اور ایک میز بھی تھی جو یہ لوگ
الی نائیس سے لائے تھے۔ فرشتہ نے ان چند کتابوں کو رکھنے کے لیے
بھی جگہ بنائی جو انکے پاس تھیں۔ پرانے مکان والی دو تصویریں بھی
دیوار پر لٹکا دی گئیں۔ شب بخیر اور صبح بخیر —— دو ننھی منی گول مٹول
لڑکیاں جو بالوں میں پھول سجائے ہوئے تھیں۔

دوسری عورتیں بھی نئے مکانوں کی خواہش کرنے لگی تھیں۔ کچھ
ہی دن بعد اینا کراتنرکا بھی نیا مکان بن گیا جس میں پانچ کمرے تھے۔ اس
کے بعد بینا شافر کا مکان بنا جس میں چھ کمرے تھے۔ اس دوران میں
امالیا کا ننھا اسکے پاس ہی رہا تھا۔ وہ ہر وقت اس سے قدرت کے دلکش
مناظر کا ذکر کرتی رہتی۔ اسے درختوں، پھولوں اور پرندوں کے بارے
میں بتاتی۔ وہ اکٹھے خودرو پھول چنتے جاتے اور ایک ساتھ ہی مرغ
زاری اوڑوں کے گھونسلے تلاش کرتے۔ وہ اکثر ساتھ گرجا کے پاس
اس پہاڑی پر کھڑی رہتیں جہاں سے ساری وادی دکھائی دیتی تھی
اس نے کتاب سے مقدس کی وہ نظم بھی سکھا دی تھی جس میں لکھا تھا
در خواہ موت کے سایہ کی وادی میں سے میرا گذر ہو میں کسی بلا سے

نہیں ڈر دوں گا۔"

اور یوں وقت گذرتا گیا۔ بہار موسم گرما میں کھو جاتی اور گرمیاں خزاں میں اور پھر فصل کی کٹائی کا وقت آجاتا۔ فرٹنز اور امالیا کو وقت کا پتہ بھی نہ چلا اور ایمل چودہ برس کا ہو گیا۔ اب اسے مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے باہر جانا تھا تاکہ وہ پادری بننے کے قابل ہو سکے۔

بہار کی اس صبح کو امالیا سوچ رہی تھی کہ وہ اسکے بغیر کیسے رہ سکے گی۔ لیکن وہ اپنے اس تصور کو نہیں جھٹک سکتی تھی جس میں اسے ایمل سیاہ لباس پہنے گرجا میں کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اسکو بھیجنا ہی پڑیگا۔ اسے تعلیم دلانے کے لیئے وہ دن رات کام کریگی۔ اس کام میں فرٹنز بھی اسکی مدد کریگا۔ اسوقت جب وہ ان خوش آیند تصورات میں کھوئی ہوئی تھی، ایمل اپنے چھوٹے سے سکول کی کھلی ہوئی کھڑکی پر بیٹھا بہار کو دیکھ رہا تھا جو چپکے چپکے گیا ہستان میں آرہی تھی۔ اس نے اپنی کتاب کی طرف دیکھا۔ الفاظ بے معنی ہو گئے تھے۔ ایک بار پھر اسکی نگاہیں کھلی ہوئی کھڑکی کیطرف لوٹ آئیں۔ چھوٹا سا ہوا گیا ہستان حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ دور بہت دور جہاں دھرتی اور آکاش مل رہے تھے۔ اسے۔۔ ایک آدمی ایک ٹیلے کی چوٹی اور ہل دکھائی دیا۔ ایک لمحے تک وہ اسے نظر آتے رہے پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

ایمل کو اپنے اندر کوئی چیز ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا "کہاں جا رہے ہو ایمل؟" استاد نے درشتی سے پوچھا۔ "دو گھر جا رہا ہوں" "کیا مطلب؟ بیٹھ جاؤ۔۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا ایمل ٹھٹھکا، مڑا اور اس نے نفی میں سر ہلایا۔

استاد اسکی طرف بڑھا۔ اسنے بھاگنا شروع کر دیا۔
یہ سب کیوں ہوا وہ اسکی وجہ نہیں جانتا تھا۔ اسے تو صرف اتنا علم تھا کہ بہار اسے پکار رہی تھی، دھرتی اسے آوازیں دے رہی تھی
اسے دیکھ اما لیا بھاگ کر باہر آئی۔ "کیا ہوا۔۔؟"
یہاں پہنچنے کے بعد اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔
تھوڑی دیر بعد فرشٹر آ گیا۔ وہ بار انکل فرشٹر اسے اسکی والدہ کے کہنے پر پیٹ چکے تھے لیکن اب ایمل بڑا ہو گیا تھا۔
"میں وہاں سے اٹھ کر گھر چلا آیا۔"
"ہوں" فرشٹر نے کہا "لیکن کیوں؟"
"اسکول کو میں نے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب میں وہاں نہیں جاؤنگا۔ میں کھیت میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ کسان بننا چاہتا ہوں۔"
فرشٹر کے چہرے پر مسکراہٹ کی پرچھائیں لہرا گئی۔
"تمہارے پادری صاحب تو گئے کام سے اما لیا" اس نے کہا اور پھر ایمل کو مخاطب کر کے کہنے لگا "تو پھر اٹھاؤ ہل"
لیکن اما لیا گھر کے اندر چلی گئی۔ اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا پھوٹ نکلا۔

۲۳

اور یوں ایمل نے کسان بننے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بے حد خوش

باش کی بیٹی تھی جو اس زمانے میں جب وہ ایک نوجوان بیوہ تھی، فرٹنز کی تمناؤں کا مرکز تھی ـــــ اینا ان دنوں ننھی سی بچی تھی۔ اٹھارہ برس کی اینا ہو بہو اس زمانے کی بینی تھی جب فرٹنز نے کبھی شادی نہ کرنے کا قول دیا تھا۔

فرٹنز اور ایمل ایک نیا مکان بنا رہے تھے۔ ان دنوں جب اسکی تعمیر کا منصوبہ بن رہا تھا، ایمل اینا میری کو اپنے یہاں لایا تاکہ وہ فرٹنز اور اما لیا سے اسکے متعلق بات چیت کر سکے۔

اس حسین اور نرم و نازک سی لڑکی کو دیکھتے ہوئے ماموں فرٹنز دفعتاً کہنے لگے تھے "ایمل کیوں نہ ہم ایک شاندار مکان بنائیں؟ اسے پتھر سے بنایا جائے۔ یہ وادی کا سب سے خوبصورت ہونا چاہیئے۔ تمہارے بچے اسی مکان میں پل کر جوان ہونگے۔ ممکن ہے ان کے بچے بھی یہیں رہیں"۔

فرٹنز کی عمر اب سینتیس برس کی تھی۔ اس دبلے پتلے اور مضبوط کاٹھی والے شخص نے کبھی کسی لڑکی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ فرٹنز اور ایمل دریا کے قریب کھیت سے پتھر اٹھا لاتے۔ ۱۸۴۰ء کے موسم گرما اور خزاں میں نارم کے ضروری کاموں سے جو بھی وقت بچتا وہ مکان کی تعمیر میں صرف ہوتا۔ مضبوط بنیادوں پر بنایا گیا یہ مکان آہستہ آہستہ اونچا ہوتا گیا۔ اسکا ہر پتھر ہر سیخ نہایت احتیاط اور مضبوطی سے لگائی گئی تھی۔

"یہ مکان اتنا مضبوط ہے کہ میں اور اینا میری شادی کے پچاس سال بعد شادی کی گولڈن جوبلی اسی مکان میں منا سکیں گے"۔ ایمل نے کہا۔

"تب میری عمر نوے برس کی ہوگی" امالیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں" فرنٹز نے جواب دیا۔ "تم اپنے بچوں، پوتوں اور پرپوتوں کو اسی مکان میں ہنستا کھیلتا دیکھوگی۔ تم تب تک ضرور زندہ ہوگی۔"

امالیا کو اس کی بات کا یقین نہ آیا۔ یہ بہت دور کی بات تھی۔ تاہم فرنٹز کی یہ پیشین گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی ــــ نچلی منزل پر پانچ کمرے تھے اور اوپری منزل پر تین ــــ یہ مکان بہت خوبصورت نہیں تاہم یہ فرنٹز سٹالفر کی طرح مضبوط اور پرخلوص ضرور تھا۔ لوگ کئی کئی میل سے اسے دیکھنے آتے تھے۔

نوجوان جوڑے کے لیے امالیا نے تقریباً ایک درجن کمبل تیار رکھے تھے۔ اب وہ نمدے بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ اینا میری نے بھی کمبل اور نئے کپڑے بنائے تھے۔ ایمل نیا فرنیچر خرید لایا تھا۔

شادی بارہ جنوری کو ہوئی تھی ــــ مکان مکمل ہو چکا تھا۔ فرنٹز کو اس پر بے حد ناز تھا۔ ایمل نے اس کے ساتھ کام ضرور کیا تھا۔ لیکن تعمیر کا سہرا تو اسی کے سر پر تھا۔ وہ پہاڑی والے قبرستان میں اپنے والد اور بھائی کے پہلو میں سو جائے گا لیکن یہ مکان اس کے بعد بھی مدتوں تک کھڑا رہے گا۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز تو تھی جو وہ مرنے کے بعد چھوڑ جائے گا۔ بیٹا نہ سہی پھر بھی ایک چیز تو تھی جس کی وجہ سے لوگ اسے موت کے بعد یاد کریں گے۔

شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی کی رسم پہاڑی والے گرجا میں ادا ہوئی۔ اس کے بعد سبھی [illegible] ہنستے ہوئے مکان میں دعوت کھانے چلے گئے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ موسم بہار کا کوئی دن ہو [illegible] کھلے تھے۔ لوگ

کھانے پر پل پڑے۔ مرد بڑے چپ چپ سے تھے۔ عورتوں کو سیکڑوں
باتیں دھونی پڑیں۔ بچے رونے لگے تو انہیں سلا دیا گیا۔ پھر دفعتاً
ایلسا رودن باش نے ناچنا شروع کر دیا۔ "میرا ساتھ دو۔ ہم لوگ
یہاں شادی کی تقریب پر جمع ہوئے ہیں۔ ماتم کے لئے نہیں۔"
ابھی یہ لوگ ناچ ہی رہے تھے کہ برف ایسی سرد ہوائیں چلنے
لگیں۔ اسکے بعد جو برف کا شدید طوفان شروع ہوا وہ تاریخ میں ۱۸۸۸ء
کا طوفان کے نام سے مشہور ہے۔ جو لوگ روانہ ہو چکے تھے انہوں
نے قریب ترین مکانوں میں پناہ لی لیکن بیشتر دلہن سمیت ہو
اسی ورشائل مکان میں لوگ طوفان کو نظر انداز کرنے کیلئے ناچتے رہے
خوش قسمتی سے دعوت کیلئے تیار کیا ہوا خوراک کا کافی ذخیرہ موجود
تھا۔

ایلیا اب انتالیس (۳۹) برس کی ہو گئی تھی۔ اسکا بیٹا اب ایک
شادی شدہ مرد تھا۔ اسکی اپنی محبت اب ایک بھولا بسرا خواب
بنکر رہ گئی تھی۔ دو بار اسے دوسری شادی کی تجویز پیش کی جا چکی
تھی۔ لیکن دونوں بار اس نے انکار کر دیا تھا۔ تاہم کبھی کبھی وہ
شام کو آسمان پر نکلتے ہوئے ستاروں کو دیکھنے لگتی اور درختوں میں
سرسراتی ہوئی ہوا کی سرگوشیوں کو سنتی رہتی۔ پھر وہ دروازہ کھولتی
اور اپنے "حجرے" میں پہنچ جاتی۔ اس حجرے کے بارے میں وہ
کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔ جنگل کے ایک علاقے قطعہ میں بنا ہوا یہ گرجا
سے بھی خوبصورت "حجرہ" کبھی اسکی نگاہوں سے اوجھل نہ
ہوا تھا۔

۲۴

چوبیس

میتھیاس لئے شادی کے بعد سات برس تک ایدا اس کے ساتھ دوکان میں کام کرتی رہی۔ اس دوران میں گاؤں والوں کے ساتھ شہریوں کو بھی بڑے کٹھن مرحلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ خشک سالی اور گیاہستانی آگ کی وارداتوں کا اثر شہروں پر بھی پڑا تھا۔

ان تمام برسوں میں ایدا اس دن کا انتظار کرتی رہی تھی جب انکے پاس ایک خوبصورت سا گھر ہوگا۔ تاہم وہ مصر رہی کہ جب تک انہیں دکان ہی میں کام کرنا ہے، انہیں ہوٹل ہی میں رہنا چاہئے ——

سنہ ۱۸۸۰ء میں ایدا ایک بچے کی ماں بننے والی تھی۔ دکان کا کام چھوڑنا اب اسکے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ لڑکے کا نام انھوں نے کارٹر رکھا۔ اس چھوٹے سے قصبے کی طرح بچہ بھی نہایت تیزی سے پھلنے پھولنے لگا۔ میتھیاس کی زندگی بڑے مزے سے گذر رہی تھی۔ ایدا دوست بھی تھی، بیوی بھی اور ماں —— کاروبار سے متعلق اسکی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قابل غور ہوتا تھا۔ پھر انھیں میتھیاس کے چچا کے انتقال اور غیر متوقع رقم ملنے کی خبر ملی۔ میتھیاس نے دوکان بیچ کر ایک بنک میں حصہ خرید لیا اور بنک آفیسر بن گیا۔

قصبے کی آبادی اب تیس ہزار کے قریب تھی۔ کئی جماعتیں یونیورسٹی سے پاس ہو کے نکل چکی تھیں۔ کانگرس کے اجلاس کے لیے ایک نئی عمارت بن رہی تھی۔ جیل میں قیدیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

پاگلوں کے ہسپتال میں بھی مریضوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا تھا ــــــ آخری آرامگاہ کے مکینوں کی تعداد بھی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی تھی ــــــ میتھیاس اور ایڈا کا نیا گھر قصبے کے سب سے بڑے مکانوں میں سے ایک تھا۔ اسکے بعد اور بھی کئی بڑے بڑے اور خوبصورت مکان بنے۔

میٹر ہوس کی تکمیل پر میتھیاس اور ایڈا نے دعوت کا انتظام کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے آدھا قصبہ وہاں پہنچ گیا ہو۔ ـشخص کا رنر کو، جو نئی پوشاک میں ملبوس تھا، ناچ دیکھنے کی اجازت دیدی گئی۔

چارلی ہرگز بھی پہنچ گیا۔ دوسرے مہمانوں کے درمیان وہ بڑا بے جوڑ سا لگ رہا تھا۔ اسے مکان دکھایا گیا تو کہنے لگا کہ اس نے ہر قسم کے دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں میں غسل کیا ہے لیکن انکے غسل خانے میں جو شور بے کا ایک بہت بڑا ڈونگا سا رکھا ہے، اسمیں نہانے کا اتفاق اسے آجتک نہیں ہوا۔ مکان دیکھنے کے دوران میں وہ خود بھی ہنستا رہا اور ایڈا کو ہنساتا رہا۔

اس چھوٹے سے شہر کی معاشرتی زندگی میں، جو دن بدن ترقی پذیر تھی، میٹر گھرانے کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ گرمیاں میں سرود خوانی کیلئے وہ بدستور جاتے رہتے تھے۔ تاش وغیرہ کھیلنے کے لئے وہ ایک کلب کے ممبر بھی بن گئے تھے۔ شہر میں جب تھیٹر بنا تو افتتاح کے روز "پہلی رات" ہی کو انہیں کھیل دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

میتھیاس اب چھیالیس برس کا ہو گیا تھا۔ اسکے سر میں سفید بال دکھائی دینے لگے تھے۔ تینتالیس برس کی ایڈا پہلے سے موٹی ہو گئی تھی۔ ایک نیک افسر اور اسکی بیوی کو جیسا ہونا چاہئے تھا، وہ دونوں بالکل

وہ ویسے ہی تھے ۔

اس رات تھیٹر سے لوٹتے ہوئے ایڈ کہنے لگی کہ اسے یقین نہیں آتا کہ یہ سب اس چھوٹے سے گاؤں میں ہو رہا ہے جہاں وہ انیس برس پہلے آئی تھی ۔

لیکن بیتھیا اس کے ذہن میں وہ طویل سفر ابھر رہا تھا جو اس نے تینتیس برس پہلے بستہ اور طوفانی کہستان میں تن تنہا طے کیا تھا ۔ اسے وہ خواب بھی یاد آیا جو ان دنوں دیکھا تھا کہ یہاں جہاں اس وقت صرف لکڑی کے چار پانچ مکان نظر آتے ہیں بہت بڑا شہر ہوگا ۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی سوچ نے اعجاز ہی سے اس خواب کو حقیقت میں بدل دیا ہو ۔

۲۵
پچیس

اس جرمن بستی میں، جہاں امالیا ہوبر ڈارفر اپنے بھائی فرٹز کے ساتھ رہ رہی تھی، اور بھی کئی تبدیلیاں ہوئیں ۔ موت، پیدائش اور شادیوں کا سلسلہ تو سمندر کی لہر کی طرح ہوتا ہے ۔ زیادہ تر شادیاں تو برادری ہی میں ہوئیں تھیں یعنی ان گھرانوں میں جو ایک ساتھ اس ریاست میں آئے تھے ۔ لیکن بینا شافر کے بیٹے نے ایک انگریز کرن گھرانے کی لڑکی سے شادی کر لی تھی ۔

امالیا کی زندگی میں جو سب سے بڑی تبدیلی آئی وہ یہ تھی کہ وہ پچپن برس کی ہو گئی تھی اور دادی اماں بن گئی تھی ۔ ایمل

اور اینامیری کا بیٹا جو دس برس کا ہو گیا تھا۔ جو کی پیدائش کے بعد بھی اینا تین بار حاملہ ہوئی لیکن چند ہی ماہ بعد اسقاط ہو گیا۔ اینامیری سوفی تو بہت ہو گئی لیکن اسکا پاؤں بھاری نہ ہو سکا۔

ایمل اینامیری کیلئے بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ اس بہار میں امالیا کو ایک واقعہ سے پتہ چلا کہ ایمل اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے ———

اینامیری نے صابن بنانے والی پرانی کیتلی نکالی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟" ایمل نے جرمن زبان میں پوچھا۔ وہ دونوں ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتے تھے۔ لیکن جرمن زبان میں گفتگو کرنا ان کے لیے نسبتاً آسان تھا۔

"صابن بناؤں گی۔" اینامیری نے کہا۔ "لیکن صابن بنانے کا کام مجھے بالکل پسند نہیں۔"

"تو پھر کیوں کر رہی ہو؟"

اینامیری کھلکھلائی "اس لیے کہ میں نے اپنی ماں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے اور اس نے اپنی ماں کو۔ بس اسی لئے۔ لیکن یہ اپنی جگہ درست ہے کہ مجھے یہ کام پسند نہیں۔" "تو پھر مت کرو۔"

اور پھر نہایت حیرت سے امالیا نے اینامیری کو وہ چربی پھینکتے ہوئے دیکھا جو اس نے بچا رکھی تھی۔ پوری سہ پہر وہ آرام کرتی رہی۔ رات کو ایمل نے لوہے کی وہ کیتلی اٹھائی اور اس میں سوروں کے لیے کھانا پکانے لگا۔

امالیا کی تمام تر محبتوں کا مرکز اب ننھا جو تھا۔ وہ بہت اپنا ہی بچہ لگتا تھا۔ ایمل بچپن میں جتنا شور مچاتا تھا وہ اتنا نہیں مچاتا تھا۔

یہ جاننے کے لئے کہ اس کے ذہن پر کیا بوجھ سوار ہے اندازہ لگانا پڑتا تھا، اس سے سوالات پوچھنے پڑتے تھے۔

کرتی اور لارنس گھرانے کے بچوں کی طرح جو بھی انگریزی بول لیتا تھا لیکن اسے جرمن بھی آتی تھی۔ امالیا کے ساتھ وہ جرمن ہی میں بات چیت کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اسے انگریزی پڑھانے کی کوشش کرتا۔ املیا کو اس سے بہت کوفت ہوتی لیکن وہ نہایت صبر کے ساتھ یہ سب برداشت کرتی رہی ـــــ ایل کی طرح وہ اس سے بھی فطرت کے حسین نظاروں کا ذکر کرتی رہتی وہ اسے بتاتی کہ خدا کا جلوہ دنیا کی کون کون سی چیزوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ اسکے ساتھ دریا کے کنارے ٹہلتی رہتی۔ درختوں کا ذکر وہ کچھ اسطرح کرتی جیسے وہ انسانوں کا ذکر کر رہی ہو۔ وہ اکٹھے جنگلی پھول چننے جاتے۔ جو اسے مختلف پھولوں کے انگریزی نام بتاتا۔ وہ گھاس میں مرغزاری لزڈں کے گھونسلے تلاش کرنے جاتے اسے لیکر وہ گرجا والی اس پہاڑی پر چلی جاتی جہاں سے پوری وادی دکھائی دیتی تھی۔ پھر وہ اسے وہی نظم اپنے ساتھ دہرانے کے لئے کہتی جو کچھ اسطرح تھی:۔ "خواہ موت کے سایہ کی وادی میں سے گزر رہوں میں کسی بلا سے نہیں ڈروں گا"

کبھی کبھی وہ جو سے پوچھتی کہ آیا وہ پادری بننا پسند کریگا۔ لیکن وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ وہ ساری دھرتی کو کھیت میں بدل دیگا اور ملک کا سب سے بڑا زمیندار بنے گا۔"

گاؤں کے سکول کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد جو نے ویسٹ ڈیل کے ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ گاؤں کا اسکول میرے لئے تو ٹھیک

"لیکن میں چاہتا ہوں جو بہتر اسکول میں تعلیم حاصل کرے" ایمل نے کہا۔
یوم ڈار فر گھرانے کیلئے وہ رات بڑی عظیم تھی جب جو نے ہائی
اسکول کی تعلیم مکمل کی سنہ ۱۹۱۰ء کے سیشن میں اسکے ساتھ وادی ہی
کے تین طالبعلم اور بھی تھے۔ یہ ان گھرانوں سے تھے جن کے ساتھ
انکے بڑے پیار کے تعلقات تھے۔ روز شافر، ہنری گیبارڈ، سو شم اور
اینا کراسنر کی پوتی لورا کراسنر ________

امالیا کو جو پر اتنا ناز تھا جیسے وہ اسکی دادی نہ ہو بلکہ ماں ہو۔ اس
کی عمر اب انسٹھ برس کی ہو گئی تھی۔ اس خوبصورت لڑکی کی، جو کسی
زمانے میں وہ تھی، اس میں اب کوئی جھلک باقی نہ رہی تھی۔ وہ اب
ایک بوڑھی عورت تھی۔ جسمانی مشقت نے اسے نڈھال کر دیا تھا
فرٹنر چھیتر برس کا ہو گیا تھا۔ پتلا دبلا سا یہ شخص بھی اپنی عمر سے
کہیں زیادہ بوڑھا لگتا تھا۔

ایمل اور اینا میری اپنی نئی گاڑی میں بیٹھ کر گئے۔ جو اپنی
گاڑی میں گیا۔ فرٹنر اور امالیا ایک اور گاڑی میں روانہ ہوئے۔
جو کی جماعت میں سترہ لڑکے تھے لیکن امالیا کی نگاہیں جو پر گڑی
تھیں جو نئے سوٹ میں ملبوس فخر سے سینہ پھلائے کھڑا تھا۔
جب امالیا اور فرٹنر گھر کیلئے روانہ ہوئے، گھنے بادل دوڑتی
کو چھو رہے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے انہیں راستہ سجھائی نہیں
دیتا تھا۔ فرٹنر نے گھوڑوں کو بے لگام چھوڑ دیا تاکہ وہ خود گھر
کا راستہ ٹٹول سکیں۔ اس سے پہلے تو انہیں یہ سڑک اتنی لمبی
کبھی نہیں لگی تھی۔ انہیں یہ تو پتہ تھا کہ وادی کو جانے والی
سڑک پر چلتے ہوئے گھوڑے ایک موڑ پر مڑ رہے تھے یا پھر

ایک جگہ انہیں شعور سے اندازہ ہوا کہ وہ ریل کی پٹری پر سے گذر رہے ہیں اسکے بعد انہیں کوئی علم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ چلتے گئے حتیٰ کہ دفادار گھوڑوں کی جوڑی نے انہیں مانچسٹر ہوس کو احاطے میں پہنچا دیا ــــ تقریباً ایک گھنٹے بعد انہیں باہر سے کچھ آوازیں آتی سنائی دیں۔ امالیا کو خوف نے جکڑ لیا۔ یقیناً یہ کسی بھیانک خطرے کی اطلاع تھی ــــــــــــ

وہ اور فریڈ دروازے پر کھڑے ہوکر کارل شافر، نوجوان اور لٹ کراتسر اور اسکی بیوی، اینا کراتسر، ہنری کیبارڈت کو تکر تکر دیکھنے لگے۔ انکے علاوہ وہاں دو آدمی اور بھی تھے جو ویسٹ ویل سے آئے تھے۔ ان سب کے پیچھے جو بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ اسکا چہرہ سپید اور ستا ہوا تھا۔ وہ نہایت وحشتناک آواز میں چیخ رہا تھا۔

"دادی اماں! ابّا اور اماں چل بسے"

یہ حادثہ ریلوے کراسنگ پر ہوا تھا۔ امالیا نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسمیں اتنی ہمت کہاں سے آگئی۔ جو کچھ بھی ہونا چاہئے تھا وہ نہایت سلیقے سے کرتی رہی اور لوگ اور وہ خود دوسروں کو دلاسہ دیتی رہی تھی۔

"یہ انکی خوش قسمتی ہے جو" وہ کہنے لگی۔ "سترہ برس کی عمر سے لیکر اب تک تمہارے والد کی دنیا تمہاری ماں ہی تک محدود رہی۔ وہ اس سے عشق کرتا تھا۔ تمہاری ماں بھی بس اسی کو چاہتی تھی۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ وہ اچھے لوگ تھے۔ انہوں نے تمہیں زندگی دی۔ یہ تحفہ ہے جو تمہیں انکی طرف سے ملا۔ جہاں وہ

اب جا چکے ہیں، وہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ
دونوں اکٹھے جا چکے ہیں۔"

جو اسی کی وجہ سے اس صدمہ کو برداشت کر سکتا۔ امالیا نے اپنی قوت بھی اسے دیدی تھی۔ لیکن جو کو کیا پتہ کہ وہ خود ہی راتوں کو اپنی خوابگاہ کا دروازہ بند کر کے گھٹنوں کے بل جھک کر بلک بلک کر روتی ہے۔ موت کے سایہ کی وادی میں سے گذرتے ہوئے کسی بلاوے سے نہ ڈرنا اس کیلئے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔

۲۶
چھبیس

پورے خاندان میں اب صرف امالیا، فرینز اور جو ہی بچے تھے۔ ایبل کے لیے، جس کی سبھی عزت کرتے تھے، گرجا کی گھنٹی آہستہ آہستہ چالیس بار بجی۔ اینا میری کیلئے جس سے سب پیار کرتے تھے، اڑتیس بار بجی۔ پھر ان کی شادی شدہ زندگی کیلئے انیس بار گھنٹی بجائی گئی۔ گھنٹیوں کی مترنم آواز گونج گونج کر پوری وادی کو یاد دلا رہی تھی کہ کوئی بھی متنفس موت سے دور نہیں ——

کھیت ایبل کو بدستور پکار رہے تھے، لیکن اس بلاوے کا جواب اب جو کو دینا تھا۔ ہل چلانا تھا، بیج بونا اور کٹائی کا کام اب اسی کے ذمے تھا۔

فرینٹر اور امالیا پتھروں والے بڑے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اب وہی جو کے ماں باپ تھے۔ ایل کیلرٹا سکی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ان ہی پر تھی۔ لیکن صورت حال اب قدرے مختلف تھی۔ جو مضطرب رہتا تھا۔ محنت تو وہ بہت کرتا تھا لیکن کام سے نمٹتے ہی وہ ہاتھ منہ دھو کر کہیں چلا جاتا تھا۔ کبھی کبھار وہ بتا جاتا کہ کہاں جا رہا ہے لیکن اکثر بنا اطلاع دیے چلا جاتا تھا۔

بول چال کے اعتبار سے تو بالکل انگریز لگتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ پوری بستی اسی رنگ میں رنگی نظر آتی تھی۔ کرائتنر گھرانے کے ایک لڑکے نے لارنس گھرانے کی لڑکی سے شادی کر لی تھی اور ایک گیبارونت نوجوان نے بلیک گھرانے کی لڑکی سے۔

اور پھر ایک روز دفعتاً کسی نے امالیا کو بتایا کہ سن ۱۹۱۰ء کی ان گرمیوں میں جو کہاں جاتا رہا ہے۔ وہ ہر روز شام سے ملنے جاتا تھا۔ امالیا کیلئے یہ خبر باعث مسرت تھی۔ روز بیں وہ سبھی کچھ تھا جو امالیا جو کیلئے چاہتی تھی۔ وہ حسین تھی، مہذب اور خوش پوش تھی اور ہر کسی سے نہایت اخلاق سے پیش آتی تھی۔

"ممکن ہے جلد ہی ہمیں اپنے چھوٹے مکان میں واپس جانا پڑے" امالیا نے فرینٹر سے کہا "تم ذرا اسکی مرمت اور صفائی وغیرہ کر کے اسے رہنے کے قابل بنا لو۔"

اس نے جو کے لیے کیبن بنانا شروع کر دیا۔ لیکن جو نے اس سلسلے میں ابھی تک خود کچھ نہیں کہا تھا۔ بڑا عجیب لڑکا تھا کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اسکے ذہن میں کیا ہے۔

بہر حال روز اسکے انتخاب پر خوش تھی۔ اگر جو اسے اپنے لیے

بیوی تلاش کرنے کو بھیجتا تو وہ روز شافری کو لیکر لوٹتی۔ زندگی میں ایک نئی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ روز اس کیلئے منصوبے بناتی رہتی جب بولٹے یہ خبر سناتا۔ وہ اس تبادلے کا خیر مقدم کریگی۔ روز کا ساتھ اسکیلئے باعث مسرت ہوگا۔

پھر فصل کی کٹائی کے دن آ گئے۔ کٹائی کے بعد خزاں کی یخ بستہ ہوائیں چلنی شروع ہو گئیں جو برفباری کا پیش خیمہ تھیں۔ امالیا نے رسوئی کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ کھیتوں سے پرے پڑوسیوں کے دو سپید سپید سے مکان منظر کی دلکشی میں اضافہ کر رہے تھے۔ کوئی بھی کھیت ایسا نہیں تھا جسکے گرد باڑھ نہ لگی ہو۔ اب حالات وہ نہیں تھے جو پہلے کسی زمانے میں تھے۔ جہاں کبھی حد نظر تک گیاہستان پھیلا ہوا تھا، وہاں سڑکیں اور بنگلے نظر آتے تھے۔ "گیاہستان" کا لفظ تو اب شاذ و نادر ہی کوئی استعمال کرتا تھا۔

کراتنز گھرانے کے غلے کے کھیت میں اسے دو آدمی دکھائی دیئے جو بندوقیں اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بھیڑیئے کے شکار کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ جوبی بھی اسی مہم پر گیا ہوا تھا۔ بھیڑیے کے لئے جو اناج کے بیرونی پوشش کھیتوں میں بچا رہ گیا تھا۔ دور کھیتوں سے پرے اسے دو اور شکاری نظر آئے۔ باڑ سے باہر سڑک کے کنارے گھوڑوں کی جوڑی بندھی تھی پاس ہی کراتنز گھرانے کی نئی موٹر کھڑی تھی۔ بڑا شور مچاتی ہیں یہ موٹریں! خوامخواہ گھوڑوں کو ڈرا دیتی ہیں۔ شکار کا سلسلہ شاید کراتنز گھرانے کے فارم کے پاس ختم ہوتا تھا

وہ خوش تھا کہ اسی بہانے روز سے ملاقات ہو جائے گی۔ ہائی اسکول کے دنوں میں اس نے اسکی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب وہ بدل بھی تو گئی تھی۔

وہ بڑی زندہ دلی سے مسکرایا۔ وہ اب اسکی محبوبہ تھی۔ جون کے مہینے میں ہائی اسکول میں جو پارٹی ہوئی تھی، اس میں وہ اکیلا ہی گیا تھا۔ وہ ان لڑکیوں کے ساتھ آئی تھی جو ۱۹۰۶ء کے سیشن میں اس کے ساتھ تھیں۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ وہیں سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔ جب وہ وہاں گیا تھا تو اسی کے نزدیک روز کی وہی اہمیت تھی جو کسی بھی لڑکی کی ہو سکتی تھی۔ لیکن واپسی پر اسکے ساتھ گھر لوٹتے ہی وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ دل کی بازی ہار چکا ہے۔ روز بھی رفتہ رفتہ دل میں اسے اپنا چکی تھی۔ ابھی تک اس نے اس سے شادی کیلئے نہیں کہا تھا۔ لیکن جلد ہی وہ یہ تجویز پیش کرنے والا تھا۔ اس نیک کام کے لیئے کرسمس کا دن موزوں تھا۔

شکاریوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ پھر گولیاں چلنے لگیں۔ گولیوں کی بوچھار بند ہوئی تو سات سیاہ بھیڑیئے زمین پر مردہ پڑے تھے۔

خوشاسر گھرانے کے مکان کیطرف چل پڑا۔

رسوئی میں داخل ہوتے ہی اسے گرم گرم روٹی اور کافی کی مہک آئی۔ آگ کے پاس کام کرنے کی وجہ سے روز کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اب بھی اتنا دلکش تھا کہ اسے چوما جا سکے۔ اس کے دل میں روز کے لیئے بے حد پیار امڈ آیا۔

وہ اسکی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً کھانے کے کمرے سے نکلتی ہوئی ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر اسکے قدم رک گئے۔ لڑکی بھی دہلیز پر پہنچکر ٹھٹک گئی ــــــــ

"مس بٹیس سے ملو جو - یہاں کی نئی استانی ــــ یہ ہمارے ساتھ ہی رہے گی اور ہاں مس بٹیس آپ جو ہو مرڈار فر ہیں"

نئی استانی کا نام مارٹی تھا۔ اس پھولوں ایسے چہرے والی لڑکی کی بڑی بڑی اور رسیلی آنکھیں بچوں کی آنکھوں کیطرح پرسکون اور شفاف تھیں۔ جو کی طرف دیکھ کر وہ بڑے دلنواز انداز سے مسکرائی۔ دفعتاً نہ جانے کیوں اس کے دل میں اس کے لیئے رحم اور ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑے ــــــــ

ستائیس

نومبر ختم ہوا۔ دسمبر میں کرسمس کے گیت گرجا کی فضا میں مچلنے لگے۔ گرجا میں اب کی مرتبہ انگریزی گیت گائے جارہے تھے۔ امالیا کو یہ تبدیلی بالکل پسند نہیں تھی۔ جوں جوں وہ بوڑھی ہوتی جارہی تھی، پرانے طور طریقوں سے اسکا انس بڑھتا جارہا تھا۔

گرجا میں جو روز کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک اور لڑکی یعنی نئی استانی بھی اسکے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ گھر پہنچکر فرسٹر نے گھوڑوں کو باندھا اور اندر آگیا۔ امالیا دفعتاً اداس ہو گئی تھی۔ کرسمس کے دنوں میں اس قسم کی اداسی بڑی بے موقع سی تھی لیکن واپسی پرات وہ رات

یاد آگئی تھی جب ایمل اور اینامیری حادثے میں ہلاک ہوئے تھے۔

اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس کے کان جو کے قدموں کی آہٹ پر لگے تھے۔ دیر سے تو وہ پہلے بھی کئی بار آچکا تھا لیکن اتنی دیر اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ تین بج چکے تھے

چار بج گئے لیکن جو نہ آیا ———— پانچ بجے وہ اٹھی اور کپڑے پہننے لگی۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔ فریٹنر اور جو کے سوا باقی رہ ہی کون گیا تھا اور اگر جو کو بھی کچھ ہو گیا تو وہ کس لئے زندہ رہے گی،

چھ بج گئے۔ فریٹنر جاگ اٹھا تھا۔ فرش پر چلتی ہوئی امالیا کو گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ اپنی خوابگاہ میں لوٹ آئی اور سوچنے لگی کہ جو کے ساری رات باہر رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جو بھی ہوا سے اس کے ساتھ مہربانی مادرانہ شفقت اور تحمل سے پیش آنا چاہیئے۔

اس نے ناشتہ لگا دیا۔ انہوں نے اپنے اپنے تحفے نکالے لیکن، کرسمس کا مخصوص جذبہ کسی میں بھی موجود نہیں تھا۔ دسترخوان پر ہر وہ چیز موجود تھی جو اس تقریب پر ہوتی ہے لیکن وہ احساسات نہیں تھے جو اس موقع پر دلوں کو گرماتے ہیں۔

شام کو جو چلا گیا۔ "میرا انتظار نہ کیجئے گا" جاتے ہوئے اسنے کہا۔ امالیا طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر چکی تھی۔ لیکن ابکی بار جو مسئلہ درپیش تھا اس نے اسے بے حد خوفزدہ کر دیا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کے بچے کی جگہ کسی اجنبی نے لے لی ہو۔

صبح اسے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا جو ایک لڑکی کو بگھی سے اترنے میں مدد دے رہا تھا۔ امالیا کا جی چاہا کہ وہ کھل کھلا کر ہنسے اور چیخ چیخ کر اپنی مسرت کا اظہار کرے۔ جو

روز کو گھر لا رہا تھا۔ اور اسے پہلے ہی پتہ تھا کہ وہ اس سے شادی کرنے والا ہے۔ اسکا یہ دفعتاً اقدام اسکی فطرت کے عین مطابق تھا۔ نہ منصوبے، نہ بحث مباحثہ، بس مناسب وقت پر اسے چپکے سے گھر لے آنا، یہی تو اسکا انداز تھا!

امالیا ان سے ملنے کیلئے بڑھی لیکن جب وہ برساتی میں پہنچی تو اسے پتہ چلا کہ وہ لڑکی روز نہیں تھی۔ یہ تو کوئی اجنبی لڑکی تھی جسکا چہرہ پھولوں ایسا اور بڑی بڑی آنکھیں پھول ایسی تھیں۔

"یہ میری بیوی ہے" جو نے کہا۔ "اس کا نام مارلی ہے"

"مزاج بخیر ——؟" لڑکی نے رکھائی سے پوچھا۔

امالیا کو یوں لگا جیسے وہ بیہوش ہو جائیگی۔ اپنا ہاتھ صاف کر کے اس نے مصافحے کے لیے لڑکی کی طرف بڑھایا "خوش آمدید" اس نے کہا۔

لیکن روز! روز! روز کو کیا ہوا؟

اس صبح جتنی بار بھی فرٹنز رسوئی گھر میں آیا امالیا نے جرمن زبان ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ایسا کیوں ہوا؟"

لیکن بے چارے بوڑھے فرٹنز کو کیا معلوم تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ وہ کیسے جان سکتا تھا کہ پھول ایسی بڑی بڑی نیلی آنکھوں والی ایک بے ادب سی لڑکی اپنی ہی کسی سہیلی کے محبوب پر ہاتھ صاف کر سکتی ہے، ایک ایسے نوجوان کو ہتھیا سکتی ہے جو خوبرو ہونے کے ساتھ ساتھ نیبراسکا کی بہترین زمین پر چار سو ایکڑ میں پھیلے ہوئے فارم کا مالک ہے۔ فرٹنز ایسا آدمی جو اپنے وعدے کو نبھانے کے لئے کچھ کر سکتا ہو، یہ سب کیسے جان سکتا تھا؟

مارٹی بیٹھک میں بیٹھ کر کتابیں دیکھتی رہی اور امالیا کھانا بناتی رہی۔ اپنے دھان پان سے جسم کے اعتبار سے اس نے کھانا بھی کچھ زیادہ کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر باقی سب تو کام پر چلے گئے اور وہ سونے کے لئے چلی گئی

سارا ہفتہ پتھروں سے بنے ہوئے اس بہت بڑے گھر کا سارا کام امالیا ہی کرتی رہی۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے بلآخر اس نے جو سے کہا۔

" میرا خیال ہے میں اور فریٹز پرانے گھر میں منتقل ہو جائیں " اس نے انگریزی میں کہا کیونکہ مارٹی جرمن زبان سے واقف نہیں تھی۔ مارٹی نے فوراً جواب دیا کہ یہ تو بہت اچھا خیال ہے "آپ جا سکتے ہیں۔ یہاں آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ گھر کے کام کاج کیلئے میں باندی رکھ لوں گی "

" یہ باندی کیا ہوتی ہے جو " امالیا نے پوچھا۔

" وہ کام کرنے کیلئے تنخواہ پر جو لڑکی ملازم رکھی جاتی ہے دادی اماں! اسے باندی کہتے ہیں "

اپنی پر سکون " بچوں ایسی نیلی نیلی آنکھیں جو پر مرکوز کرتے ہوئے مارٹی نے کہا۔ " ایک کام اور بھی کرنا ہے۔ گھر کی مرمت از سر نو کی جائیگی۔ کیا خیال ہے ؟ "

" ہاں ہاں ضرور " جو نے جواب دیا۔ " جیسا تمہارا جی چاہے، مارٹی "

اور یوں امالیا پرانے مکان میں واپس آ گئی۔ مارٹی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ جو چاہے لے جا سکتی ہے۔ کیونکہ

وہ اور جو نئی چیزیں خریدنے والے ہیں ــــــ اسکی یہ بات امالیا کیلئے تشویش کا باعث تھی کیونکہ کسان اتنے رئیس نہیں تھے۔

مرمت اور تعمیر کا کام ساری سردیاں اور موسم بہار میں جاری رہا۔ مارٹی کی ہدایت کے مطابق مزدوروں نے پرانے سیاہ خوبصورت پتھروں پر ایک چمکدار سی گلابی ریت کی تہہ جما دی۔ ویسٹ ڈیل سے ہر روز نئے فرنیچر سے لدا ہوا کوئی نہ کوئی چھکڑا آ پہنچتا۔ تعمیر اور آرائش مکمل ہو جانے کے بعد مارٹی جو کو رسوئی سے آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔ اپنے مخصوص بچوں کے سے انداز میں وہ اس سے کہتی۔ "ہمیں اس حصے کو صاف ستھرا رکھنا چاہیئے تاکہ ہم اپنے شہر سے آنیوالے دوستوں کو یہاں بٹھا سکیں۔

روز شافر نے اپنے وقار میں مطلق کمی نہیں آنے دی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پھر ایک دن اپنا کرا تنر نے امالیا کو بتایا کہ روز نرسوں کا کورس کرنے کیلئے اوماہا چلی گئی ہے۔

امالیا کی سمجھ میں یہ بات تو آگئی تھی کہ جو وہی کچھ کرتا ہے جو مارٹی چاہتی ہے۔ گرمیوں کی ایک سہ پہر کو جب جو اور مارٹی شہر سے واپس آئے تو مارٹی امالیا کے چھوٹے سے مکان میں اس سے ملنے آئی۔

"میں آپ کے لئے ایک خبر لائی ہوں نادی اماں"

امالیا اس بات سے بھی واقف ہو چکی تھی کہ اپنی من مرضی کر لینے کے بعد مارٹی کچھ دیر کیلئے مجسم شائستگی بن جاتی ہے۔ وہ خاموشی سے خبر کی منتظر رہی۔

"کیا سمجھتی ہیں آپ ؟ آپ کا نام اب ہومز ڈارفر نہیں رہا۔ اب آپکا نام ہومز ہے۔ ہم نے نام بدل لیا ہے۔ آپ اب مسز امالیا

ہومز ہیں اور ہم مسٹر اور مسز جوزف رووڈن ہیں [رووڈن باش نہیں] ہونہہ
اس بات کو سمجھنے کیلئے امالیا نے فرنٹز کی مدد چاہی لیکن وہ تو مارٹن کی
موجودگی میں ہمیشہ نگاہیں فرش پر گاڑے رہتا تھا۔ امالیا نے پھر وضاحت
چاہی کہ آیا کپڑوں کی طرح نام بھی بدلے جا سکتے ہیں۔ مارٹن کی وضاحت
پر امالیا نے محض سر ہلانے ہی پر اکتفا کی "تم چاہو میرا مطلب ہے
تم اور جو، اگر چاہو تو یہ کر سکتے ہو لیکن میں یہ نہیں کروں گی ــــ"

۲۸
اٹھائیس

۱۸۹۰ء کی دہائی میں ترقی پذیر لنکن شہر میں، جہاں تھیاس میئر، ایڈا اور اپنے بیٹے مارٹن کے ساتھ رہ رہا تھا، کئی خوشگوار تبدیلیاں آئیں۔ جس بینک میں وہ افسر تھا، وہاں اب بجلی لگ گئی تھی۔ کھمبوں کی جگہ اب بڑی [illegible] نظر آنے لگیں۔ ایک نیا عالیشان ہوٹل بھی بن گیا۔ تھیاس نے تجارت و صنعت کی نگران مجلس کو منظم کرنے میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ایڈا نے ایک عورتوں کے کلب کی تنظیم میں خاصی سرگرمی دکھائی۔ یونیورسٹی میں اب دو ہزار طالبعلم تھے۔ پہلی موٹر گاڑی بھی شہر میں آگئی تھی۔

۱۸۹۴ء میں پورے ملک کو کئی کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑا اس سے اگلے سال وسطی مغرب میں گرمی سے ساری فصلیں تباہ ہو گئیں۔ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء تک مارٹن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنے والد کے بینک میں کام شروع کر دیا۔

ستائیس برس کی عمر میں اسکی شادی مس لوسی ہارمنٹ سے
ہوگئی۔ جو بنک کے ایک افسر کی بیٹی تھی۔ انہوں نے سیدارسٹی میں
ایک نیا مکان لے لیا۔ یہ خوبصورت ترقی پذیر قصبہ ایکدو سرے ضلع
میں واقع تھا۔ میتھیاس کی مدد سے کارٹر نے سیدارسٹی کے اسٹیٹ
بنک میں ایک بہت بڑا حصہ خرید لیا۔ میتھیاس کو ابھی تک وہ صبر
آزما دن یاد تھے جب ہم نے ایک نسبتاً اور غیر آباد ملک میں اپنی
زندگی کا آغاز کیا تھا۔

۲۹
انتیس

مارتھا کی آمد کے بعد اما لیا کو فارم کی ہر چیز بدلی بدلی سی نظر آنے
لگی تھی۔ کبھی کبھی اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اور فرٹز یہاں اجنبی
ہوں۔ یہ احساس بڑا عجیب و غریب سا تھا کیونکہ دونوں کھیت
اسکے والد ولہیم اور اسکے شوہر ہرمن کی ملکیت تھے۔ اسّی ایکڑ کا
ایک نیا ٹکڑا ضرور جو کے باپ نے کراتنر گھرانے سے خریدا تھا۔
بڑے گھر میں زندگی کی قدریں اسقدر بدل گئی تھیں کہ وہ
اور فرٹز وہاں بہت کم جاتے تھے۔ مارتھا امید سے تھی۔ اسکا مزاج
خاصا تلون کیش ہو گیا تھا۔ کبھی تو وہ جو سے ہر روز شہر جانے کی فرمائش
کرتی اور کبھی خود الگا کو بند کر کے اندر پڑی رہتی اور جو کے آواز دینے
پر بھی دروازہ نہ کھولتی۔ وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ گھر
کے کام کاج کے لئے انہوں نے مسز گیبارڈٹ کو رکھ لیا تھا۔

امالیا جوئی کو دلاسہ دینے کی ہر ممکن کوشش کرتی ۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ بے حد متحمل ہے ۔ اسے تعجب ہوتا تھا کہ مارٹی کی بچکانہ حرکتوں پر اسے کبھی غصہ نہیں آتا ۔

ستمبر میں ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ۔ بچہ صحت مند اور نارمل تھا انہوں نے اسکا نام نیل رکھا ۔ امالیا کو حیرت ہوتی تھی کہ وہ ترلیسٹھ برس کی عمر میں پردادی بن گئی ہے ــــــــــــ

تین برس تک اسکی دیکھ بھال زیادہ تر امالیا ہی کرتی رہی ۔ جوئی ننھے کو سیر کرانے کیلئے جنگل اور اناج کے کھیت میں لے جاتا ۔ فرسٹر بھی اکثر اسے گھمانے لے جاتا ۔ جہاں تک مارٹی کا تعلق ہے اسکی تو گھر سے باہر کئی دلچسپیاں تھیں ۔ ذہنی اور روحانی ترقی کے لیئے وہ شہر کے کئی اداروں سے وابستہ تھی ۔ گھر کا کام کاج کرنے کیلئے اسے ہمیشہ ایک خادمہ کی ضرورت رہتی تھی ۔ اور کبھی کبھی تو دو کی ، حالانکہ نیل کی دیکھ بھال کیلئے امالیا موجود تھی ــــــــــــ مارٹی کے حسین چہرے پر اکثر ناگواری مترشح ہوتی ۔ جوئی اسکے لیئے کار بھی خرید لایا ۔ چونکہ مارٹی تو موٹر چلانا جانتی نہیں تھی ، اسے شہر پہنچانے کیلئے تقریباً ہر روز جوئی کو فارم سے آنا پڑتا تھا ۔ اسے واپس لانے کیلئے بھی جوئی ہی کو جانا پڑتا ــــــــ وہ اصرار کرتی تھی کہ جتنی بار بھی جوئی شہر میں آئے لباس تبدیل کر کے آئے ۔ نتیجہ یہ کہ فارم کے کام کاج میں مدد کیلئے بھی جوئی کو ایک ملازم رکھنا پڑا ۔

نیل کی دیکھ بھال میں بڑا لطف آتا تھا ۔ اگرچہ وہ اب بوڑھی ہو چکی تھی ، تھک چکی تھی پھر بھی اسے اس کام میں بڑا مزا آتا تھا ، اگر یہ شوخ سا ننھا نہ ہوتا تو اسکی زندگی کتنی سونی ہوتی ؟ اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کے یہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا ہو ۔ ایمل ، جوئی ، نیل ،

کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا کہ تینوں میں سب سے زیادہ پیارا سے نیل سے ہے۔ ایسا حسین ملکہ بچہ اسنے آجتک نہیں دیکھا تھا۔ مارٹی کا خیال آتا تو اسے حیرت ہوتی کہ ایسا بچہ اسکے یہاں کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ بچے کے چہرے پر مسکراہٹ کی دمک کبھی ماند نہ پڑتی ہنسنے کیلئے وہ ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔

ماں کی حیثیت سے مارٹی کا پیار بڑا عجیب و غریب سا تھا۔ اسکا بچہ اسکی سہیلیوں کو کیسا لگتا ہے، یہ بات اسکے نزدیک ان خوبیوں سے کہیں زیادہ اہم تھی جو صورت کے علاوہ کسی بچے میں ہونی چاہئیں۔

امالیا اپنا سارا وقت ان باتوں پر صرف کرتی جنہیں مارٹی نظر انداز کر رہی تھی۔ ایک روز اس نے اسے الٹے پاؤں وہ چھوٹا سا پہیہ واپس کرنے کیلئے اپنا کر اسٹر کے یہاں بھیج دیا جسے وہ انکی اجازت کے بغیر اٹھا لایا تھا۔ اس سے یہ اگلوانے کیلئے کہ اس نے اسکی رسوئی سے کیک کا ایک ٹکڑا اٹھایا ہے امالیا اسکے ساتھ آدھا دن مغز مارتی رہی ——— اسے کیک کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تو محض اسے ایمانداری کا درس دینا چاہتی تھی ——— وہ دونوں جنگل میں اکٹھے گھومتے رہتے بالکل ویسے ہی جیسے وہ اس ننھے سے بچے کے باپ اور دادا کے ساتھ گھومتی رہی تھی۔ اسکی رفتار البتہ پہلے سے سست ہوتی کیونکہ وہ اب ستر برس کی ہو گئی تھی۔ وہ اسے ان درختوں کے بارے میں بتاتی رہتی جو اب اسکی طرح بوڑھے ہو چکے تھے۔ نیل جنگلی پھول چن چن کر اسکے پاس لاتا نیل صرف پھولوں کے انگریزی ناموں سے واقف تھا۔ جرمن زبان کے بارے میں اسکی معلومات صرف ایک جملے ہی تک محدود تھیں جملہ امالیا نے اسے سکھایا تھا وہ جملہ تھا "اشو لیبے ڈش" الیانز مجھے تم سے محبت ہے۔

دونوں ایک ساتھ گھاس میں مرغزاری لوؤں کے گھونسلے تلاش کرتے رہتے۔ وہ اسکے ساتھ گرجا والی پہاڑی پر کھڑی رہتی۔ پرانی عمارت کی جگہہ یہاں اب نئی خوبصورت عمارت دکھائی دیتی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ موت کے سایہ کی وادی میں سے گذرتے ہوئے کسی بلا سے نہ ڈرنے والی نظم دہرانے کیلئے کہتی۔ وہ جرمن میں پڑھتی اور ایملی انگریزی میں ـــــــــــ

بوڑھا فرنٹز اب پہاڑی پر واقع قبرستان میں سو رہا تھا۔ پچھلے برس وہ موت کے سایہ کی وادی میں سے گذرا اور اسوقت تک بلاؤں سے ڈرتا رہا جب تک امالیا نے اسکا عمر رسیدہ ہاتھ ہاتھ میں لیکر اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے یہ نہ کہا کہ وہ اسکے لیئے مثالی بھائی ثابت ہوا ہے۔ اس دلاسے سے اسکا سارا خوف جاتا رہا۔

فرنٹز کے بغیر وہ خود کو بڑا تنہا تنہا سا محسوس کرتی تھی۔ لیکن عموماً اسے یوں لگتا تھا کہ وہ کہیں نہیں گیا۔ اکثر غیر ارادی طور پر وہ اسکے لیئے دسترخوان پر جگہہ کا اہتمام بھی کر دیتی تھی ـــــــــــ

تیس ۳۰

پھر ۱۹۱۸ء کا وہ سال آگیا جسمیں عجیب و غریب واقعات ہوئے ملک جنگ میں الجھا ہوا تھا۔ امالیا کو خانہ جنگی کی باتیں اب تک یاد تھیں جو اس زمانے میں چھڑی تھی جب وہ بارہ ۱۲ برس کی تھی۔ الی نائیس کے لوگ اس بات پر کچھ لے نہیں سماتے تھے کہ الی نائیس

کار ہنے والا ابراہیم لنکن صدر بن گیا ہے۔ سپاہی جنگ سے جب گھر لوٹے تو وہ سولہ ۱۶ برس کی ہو چکی تھی۔

یہ بات نا قابل یقین سی لگتی تھی کہ اس زندگی میں کوئی اور جنگ بھی اس پر اثر انداز ہو گی لیکن یہ جنگ تو دادی کے نوجوانوں کی طلبگار تھی یہ تو پرانے پڑوسیوں میں بھی جھگڑے کھڑے کر رہی تھی۔

جرمن بولنے والا کوئی بھی شخص پہاڑی والے گرجا میں نہیں گھس سکتا تھا۔ اینا کرانسٹر اب ہر روز نہ آتی تھی۔ جرمن زبان میں باتیں کرتے ہوئے اسکا لہجہ بہت دھیما ہوتا۔ آخر دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں ــــــــــ اسکا بد ترین پہلو یہ تھا کہ مارٹی نے بھی مصیبتیں کھڑی کرنی شروع کر دی تھیں۔ ننھے نیل نے ایک روز کہا "دادی اماں" اب آپ میرے سامنے کبھی جرمن کا ایک لفظ بھی نہ بولئے گا یہ زبان میرے لئے شرم کا باعث ہے ـــــ " اش لیبی دش بھی نہیں ؟"

" نہیں، بری بات ہے "

امالیا کے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش بڑی شدت سے ابھرتی کہ کاش فرنٹز زندہ ہوتا اور اسے ان عجیب و غریب حالات کے بارے میں بتاتی۔ لیکن پھر اسے وہ کٹھن مرحلے یاد آجاتے جو فرنٹز نے انگریزوں کیساتھ ملکر طے کئے تھے۔ اسے خوشی ہوتی کہ وہ زندہ نہیں ہے ورنہ اسکے جذبات بری طرح مجروح ہوتے۔

نرسیں روز شافران میں سے ایک تھی جنہوں نے سب سے پہلے سمندر پار کا سفر کیا تھا ـــــ کاول شافر کا ایک لڑکا کیمپ میں بیمار ہو کر چل بسا گیبارات گھرانے کا ایک لڑکا فرانس میں ہلاک ہو گیا۔

ایلسا رو دن باش (جو بیوہ تھی) کے دونوں بیٹوں نے ایک ہی صبح گھر کو خیر باد کہا ان کے نکلتے ہی وہ بھی گھر سے نکل پڑی اور کبھی واپس نہ آئی۔

بالآخر جنگ ختم ہو گئی لیکن زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو کمان کا تیر ہوتی ہیں۔ انھیں کیسے بھلایا جا سکتا تھا اور پھر گیبارڈت گھرانے کا بیٹا اور کارل شافر کا لڑکا بھی تو نہیں آ سکتے تھے بالکل اسی طرح جس طرح رو دن باش کے کھوئے حواس اسے واپس نہیں دلائے جا سکتے تھے۔

جو ان دنوں کافی روپیہ کما رہا تھا۔ اس کے پاس ایک بہت بڑی کار تھی۔ مارلی کے پاس ان گنت اچھی اچھی اور خوبصورت چیزیں تھیں نئے نئے لباس تھے نہ اسکے یہاں بہت سے مہمان آتے تھے اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکاگو کی سیر بھی کر چکی تھی۔

اس رات نیل کے والدین گھر پر نہیں تھے۔ وہ ارالیا کی رسوئی میں بیٹھا ایک ننھی سی کشتی بنا رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں مست تھا اور ارالیا اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب اکھتر برس کی ہو گئی تھی۔ کیا عورت میں مادرانہ شفقت کا جذبہ کسی بھی عمر میں کم نہیں ہوتا؟ نیل کو بھی وہ ایمل اور جو کی طرح اپنا بیٹا سمجھتی تھی۔ بیٹا ۔۔۔ پوتا ۔۔۔ پڑپوتا ۔۔۔ گذرے ہوئے ان گنت سال کچھ اسطرح آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے کہ اسے یوں لگا جیسے وہ تینوں بھائی ہوں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے نیل نے کہا اس نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ اسکا

پھر امالیا کو گرم سا لگا۔ "اگر تم چاہو تو میں انگلش لیبی دش ، کہوں"
اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ اتنا ہی خوبصورت جملہ ہے جتنا انگریزی
یہ فقرہ "مجھے تم سے محبت ہے"

نیل کو کھینچکر اس نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ بیماری کے خوف نے
اسکے جسم میں لرزہ پیدا کر دیا۔ اسکے لئے شب خوابی کا ایک صاف
ستھرا لباس اس نے اپنے یہاں رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اسکے کپڑے
بدلنے لگی۔ اسکی انگلیاں کھردری اور سست ہو گئی تھیں لیکن ان
کی شفقت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ اسے کپڑے پہنا کر وہ اسکیلئے
برانڈی لے آئی اور پھر اسکے سرہانے بیٹھ کر اسکی دلجوئی کرنے لگی۔

رات گئے اسے احاطے میں داخل ہوتی ہوئی کار کی آواز سنائی
دی۔ گھر کی خیر خبر لینے کیلئے جو ہمیشہ رات کو گھر پہنچ جاتا تھا۔ جو ایک
بہت اچھا باپ تھا۔ کبھی کبھی امالیا سوچتی کہ وہ ماں اور باپ دونوں
کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔ اس بیماری
کو ہسپانوی انفلوئینزا کہا جاتا تھا۔ یہ ملک میں اتنی سرعت کے ساتھ
پھیلی تھی جتنی تیزی کے ساتھ پرانے زمانے میں گیا بستانی آگ
پھیلتی تھی ——— لوگ کام کرتے کرتے گر پڑتے ———
نوجوان مسز مٹری کراتسز رسوئی میں بیٹھی کھانا پکا رہی تھی کہ غش آگیا
تین روز بعد اسے قبرستان میں دفنا دیا گیا۔ ایسی بیماری کا شکار سولہ
برس کا ایک لڑکا بھی ہوا تھا اور ساٹھ برس کی ایک بڑھیا بھی
——— پھر ایک بچہ اسی کا شکار ہو گیا۔ پورے ملک میں
خوف کی لہر دوڑ گئی۔

پہلے یہ بیماری مارنی کی ملازمہ کو ہوئی اور پھر خود مارنی کو ـــــ جو بے حد متردد تھا۔ اسکی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ نرس کیلئے اس نے بھاگ دوڑ کی لیکن کہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

بڑھی امالیا نیل کے لئے وہ سب کچھ کرتی رہی جو ڈاکٹر کہتا رہا وہ دیکھ رہی تھی کہ ڈاکٹر خود بھی اپنی ہدایات کے بارے میں پر یقین نہیں تھا۔

چوتھے روز شام کو جو مارنی کی دیکھ بھال کرنے کے بعد نیل کے سرہانے کھڑا تھا کہ دفعتاً دروازہ کھلا اور روز نشا فرنرس کا لباس پہنے کمرے میں داخل ہوئی۔

"روز!" اسے دیکھتے ہی جو کے چہرے پر کچھ ایسی کیفیت نمایاں ہوئی کہ امالیا نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ اس کیفیت کو زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کیفیت کو جو روز کو دیکھتے ہی جو کے چہرے پر ہوئی تھی، وہ زندگی کے آخری سانس تک نہیں بھلا سکے گی۔ بوڑھی امالیا سے زیادہ کون اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ غلط آدمی سے شادی کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے؟

"میں مدد کے لئے آئی ہوں" سیاہ نیلی آنکھوں، پرسکون چہرے اور مضبوط ہاتھوں والی روز کتنی حسین لگ رہی تھی۔

"تم ـــــ تم ـــــ بہت اچھی ہو روز...." وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ اس کے آنے کے بعد دو دن اور دو راتوں تک نیل خطرے میں رہا اس دوران میں روز نے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نگاہیں بچے سے نہ ہٹائیں۔ اسکے بعد بخار ٹوٹ گیا ـــــ

جوئے نے دیکھا کہ روز بچے کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے۔ خوف نے جیسے اسکی قوت گویائی سلب کر لی تھی "کیا اسکی حالت بہت خراب ہے روز ....؟"

"نہیں، بلکہ پہلے سے افاقہ ہے۔ اگر تم احتیاط برتو یہ بہت جلد اچھا ہو جائیگا۔" "...... تو پھر ...... تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟"

امالیا نے دیکھا کہ جوئے نے اپنا بازو روز کی کمر میں حائل کرنے کے لئے پھیلایا لیکن پھر فوراً ہی گرا دیا ——

"یہ تو خوشی کے آنسو ہیں —— حماقت ہے نا ——؟"

لیکن بوڑھی امالیا جو اکہتر برس کی طویل مسافت طے کر چکی تھی، بخوبی جانتی تھی کہ روز جو کے بچے کیلئے کیوں مضطرب ہے۔

۳۱
اکتیس

کارٹر میر اور اسکی بیوی لوسی سیڈی نامی چھوٹے سے قصبے میں بڑی مطمئن زندگی گذار رہے تھے ——

"قصبہ جتنا چھوٹا ہوگا اتنا ہی زیادہ اسے "شہر" کہہ کر پکارا جائیگا" لوسی نے ایک بار کہا تھا "شہر" بھی بچوں کی طرح بڑھتے، پھیلتے اور اہم بنتے چلے جاتے ہیں۔"

۱۹۱۳ء میں اسکے اپنے یہاں بھی بچہ ہو گیا۔ ننھی کے بال، گھونگر والے اور گہرے سرخ رنگ کے تھے، جلد بے حد چکنی اور

بھورے رنگ کی تھیں۔ انہوں نے اسکا نام ہیزل رکھا تھا۔ لیکن تھیاس کبھی کبھی اسے "ریڈی" کے نام سے پکارتا تھا۔

جسوقت یہ دادا اور دادی بنے میتھیاس کی عمر اسّی برس تھی اور ریڈا کی پینسٹھ برس۔ یہ تجربہ انکیلئے خاصا ہیجان انگیز تھا۔

میتھیاس اب کاروباری سرگرمیوں سے دستبردار ہو چکا تھا۔ ریڈا اور وہ ایکبار یورپ کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ فلوریڈا اور کیلیفورنیا تو وہ کئی بار جا چکے تھے۔

ریڈا کے بال اب برف ایسے سپید ہو چکے تھے۔ اسکا بھاری بھرکم جسم بڑے پروقار انداز سے تنا رہتا تھا۔ میتھیاس کے جسم میں کبھی قبالیوں ایسا تناؤ تھا۔ کارلٹن کا کاروبار اچھا چل رہا تھا۔ میتھیاس کو احساس تھا کہ اسکے بیٹے نے ایک چھوٹے سے بنک میں شرکت کرنے کا فیصلہ کر کے دانشمندانہ قدم اٹھایا تھا۔

کارلٹن کا عقیدہ تھا کہ کامیابی حاصل کرنا کچھ ایسا مشکل نہیں تھا۔ آدمی جسطرح چاہے اپنی زندگی کو موڑ سکتا ہے۔

وہ سبھی کہ زندگی کی سبھی آسائش میسر تھیں۔ بیٹا دنیا کیلئے۔ خوبصورت گھر، اپنی کار، اور ایک صحتمند اور دلکش سی ننھی بیٹی۔

جنگ کے دوران میں کارلٹن دن رات محنت کرتا رہا۔ اسکی شخصیت اس چھوٹے قصبے کا ایک اہم حصہ تھی بالکل ویسے ہی جیسے کسی زمانے میں اسکے والد کی شخصیت لنکن نامی چھوٹے سے قصبے کا ایک اہم حصہ تھی۔

جنگ میں الجھے ہوئے یورپ کیلئے خوراک مہیا کرنے کی خاطر مغربی علاقے کی دو کروڑ ایکڑ ریتیلی زمین کو قابل کاشت بنایا جا رہا تھا جو کچھ ایسا دشوار کام نہیں تھا کیونکہ موٹی موٹی سی گھاس کے سوا وہاں کچھ

نہ تھا۔ درخت تھے ہی کہاں کہ انہیں کاٹنے کی ضرورت پڑتی۔ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کیلئے صرف چند پتھروں کو ہٹانے کی ضرورت تھی۔

جیسے جیسے فصلیں اگیں مٹی باریک اور دھول ایسی ہوتی گئی بعض لوگ اس صورتِ حال کو دیکھکر مایوسی سے سر ہلاتے اور سوچنے لگے کہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ بڈھے چارلی برگر نے ایک روز کارٹر سے کہا "زمین بالکل دھول ہو کر رہ جائے گی۔ گندم تو دیکھنے کو بھی نہیں ملے گی۔ اگر یہی صورت حال رہی تو شاید ایک روز اپنے ملک کے اس اہم ترین حصے میں روٹی نایاب ہو جائے گی"

کارٹر بڈھے چارلی برگر کی باتوں پر ہنس دیا ________

سنہ ۱۹۱۹ء میں ایڈا میٹر دفعتاً ہسپانوی انفلوئنزا کا شکار ہو کر چل بسی۔ سینتھیاس کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ ایدا کی موت اسکے وجود کے آدھے حصے کی موت تھی۔

بہر حال کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے آپ کو سنبھال ہی لیا۔ اپنا پرانا مکان کالج کے ایک ادارے کے ہاتھ بیچکر وہ سیدار رسٹی کی منتقل ہو گیا۔ اسے الگ کمرے مہیا کرنے کیلئے کارٹر اور لوسی نے اور بڑا مکان بنوا لیا۔ وہ کارٹر کے بنک بھی جاتا۔ کارٹر کو اسکی قوتِ فیصلہ پر بڑا بھروسہ تھا۔

ہیزل سینتھیاس کی آنکھ کا نور تھی۔ اسکے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بڑی ہو گئی۔ آٹھ برس۔ دس برس۔ بارہ برس اور پھر چودہ برس کی۔ وقت کیسے ماہ و سال میں بدلتا جاتا ہے ______

ہیزل کھیل تماشوں کی بڑی شائق تھی۔ اسے ہر قسم کے کھیل میں دلچسپی تھی کبھی کبھی سینتھیاس اسے سنجیدہ بنانے کی

کوشش کرتا۔ کچھ ہی دن بعد وہ سیانی ہو جائے گی۔ کسی نوجوان سے وہ یہ توقع کیسے کر سکتی ہے کہ وہ اسکی اسطرح دیکھ بھال کرے جیسے بچوں کی کیجاتی ہے؟ ——

"لیکن میں نے یہ چاہا ہی کب ہے کہ کوئی نوجوان میری دیکھ بھال کرے؟" وہ جواب دیتی "میرا ارادہ تو ہوا بازی سیکھنے کا ہے"

لوسی اور کارلٹر بوڑھے چارلی برگز کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن "سیزل کو وہ بہت پسند تھا۔ وہ تو بہت اچھا آدمی ہے"، سات قبالیون سے لگاتار ہا ہے ہمارے ملک کی تاریخ کے متعلق جتنی معلومات اسے ہیں اتنی تو کسی کو بھی نہیں۔ کسی نہ کسی اسکا سیٹی اس جگہ ضرور جاؤنگی جہاں چارلی برگز اور دادا ابا کشتی سے اترے تھے۔ وہ جگہ بھی دکھائے گا جہاں سے کیاہستان کو جانیوالی تمام پگڈنڈیاں شروع ہوئیں ——————

وہ ایسی جگہ بھی ڈھونڈ نکالے گا جہاں کیاہستانی چھکڑوں کے پہیوں سے بنی چھوٹی لکیریں اب بھی موجود ہونگی۔

"میں وہاں جا سکتی ہوں —— جا سکتی ہوں ——— نا ——؟"

"ضرور —— ضرور ——" اسکے والد نے جواب دیا "اگر تمہیں وہاں جانیکی اتنی خواہش ہے تو پھر تمہیں اجازت ملنی ہی چاہئے"

— · — · — · —

۳۲
بتیس

زمانہ پھر دھیرے دھیرے بدل گیا تھا۔ سڑک کا سینہ اب سخت اور پتھریلا تھا۔ نیل اور دوسرے طالبعلموں کو قصبے سے سکول تک لے جانے کیلئے روز بس آتی تھی۔

ایک روز امالیا نے نیل سے پوچھا۔ "کیا تم۔۔۔۔ کیا تم پادری ـــــ بننا پسند کرو گے؟"

نیل اتنی زور سے ہنسا کہ فرش پر لوٹ پلوٹ ہو گیا۔ "اس ـــــ پیشے میں تو مجھے صرف ایک ہی خوبی نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ پورے ملک میں جہاں کہیں بڑی دعوت ہو، شرکت کا موقعہ ملتا ہے۔"

کوئی فائدہ نہیں ـــــ اس کے تینوں بچوں میں سے کوئی بھی پادری نہیں بن سکے گا۔

مارٹا نے جو کو تازہ ترین مشورہ دیا تھا کہ وہ سور پالنا چھوڑ دے اور صرف فصل کی کمائی ہی پر قناعت کرلے۔

سور تو نری غلاظت کا گھر ہوتے ہیں! وہ بولی۔ اور پھر ہر وقت شور مچاتے رہتے ہیں اسوقت تو اور بھی برا لگتا ہے جب مہمان آئے ہوں۔

پہلے تو جو نے مذاق میں بات اڑانے کی کوشش کی لیکن مارٹا بے حد سنجیدہ تھی۔ اس نے سبھی چھوٹے موٹے حربے آزمائے ہنستے بچوں ایسا اصرار، آنسو اور پھر رونا چیخنا ـــــ عاملطور پر اسے یہ سارے حربے آزمانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن ابکی

ہار معاملہ دوسرا تھا جو کو اپنے سوروں پر ناز تھا۔

سوروں کا قصہ ختم ہوا تو وہ مرغیوں کے پیچھے پڑ گئی۔ پھر وہ بھی بیچ دی گئیں۔ اور فارم ہوس ہو بہو شہر کے مکانوں ایسا لگنے لگا۔ شہری لباس میں ملبوس جو مارٹا کے بلانے پر کار کو برساتی تک لے آتا۔

ایک ملازم کو بلا کر مارٹا نے اسے صابن بنانے والی پرانی کیتلی کو صاف کر کے اسپرنگ کرنے کیلئے کہا۔ پھر حکم دیا گیا کہ وہ اسمیں مٹی بھر کر اسے مکان کے صدر دروازے کے پاس لے آئے اور لکڑی کے تین مضبوط ٹکڑوں کی باڑ بنا کر اسے لٹکا دے۔ پھر خادمہ کو حکم ملا کہ وہ کیتلی میں سپید پھولوں اور اسکے نیچے سرخ پھولوں کے پودے لگا دے۔ شہر سے آنے والے لوگ اسے دیکھتے اور تعریف بھرے لہجے میں کہتے کہ ایسا لگتا ہے۔ جیسے کیتلی کے نیچے آگ سلگ رہی ہو اور کیتلی میں سے بھاپ نکل رہی ہو۔

اما لیا واحد ہستی تھی جو اسکی تعریف نہ کر سکی۔ اسکا خیال تھا کہ کیتلی یہاں بڑی بے جوڑ اور مضحکہ خیز لگتی ہے۔

اب مارٹا کی یہ خواہش تھی کہ جو کھیتی چھوڑ کر ویسٹ ڈیل یا لنکن میں منتقل ہو جائے کبھی وہ مصمم لہجے میں اصرار کرتی، کبھی کبھی رونے دھونے پر اتر آتی۔ کبھی کہتی کہ اسے اسکی خاطر شہر میں منتقل ہو جانا چاہیئے کیونکہ اس نے بھی تو اس کیلئے بہت سے دکھ جھیلے ہیں اور کبھی اسکی دلیل یہ ہوتی کہ اسکی اپنی بہتری بھی اسی میں ہے کبھی اسکا اصرار ہوتا کہ انہیں اپنے بیٹے کی خاطر شہر میں سکونت اختیار کر لینی چاہیئے ـــــــــ

بلا شبہ جو نے بہت محنت کی تھی لیکن محنت تو سبھی نے کی تھی۔ انہیں کئی کٹھن مرحلوں سے گذرنا پڑا تھا۔ کم پیداوار، خشک سالی، کم قیمتیں اور فصلوں کو تباہ کرنے والے کیڑے ——— ایک نہ ایک مصیبت کا سامنا تو رہتا ہی تھا۔ اسکے باوجود وہ اسی بات کو ترجیح دیتا تھا کہ وہ یہیں، اسی کھلی فضا میں اپنے ان دشمنوں سے برسرپیکار رہے کبھی کبھی اسے روز شافر کا خیال آجاتا۔ ایسے شاندار فارم میں رہ کر وہ کتنی خوش ہوتی۔ فارم کا سارا کام وہ کیسی خوش اسلوبی سے چلاتی۔

امالیا اب اناسی برس کی ہوگئی تھی۔ خمیدہ کمر اور امتداد وقت کی پرچھائیاں لئے ہوئے۔ اس کے چہرے کی جھریاں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وقت کے نقشے پر دریاؤں کی گہری لکیریں پڑی ہوں۔

اس موسم بہار میں ایک اتوار کو وہ جو، مارل اور نیل کے ساتھ ایک نئے سرکاری پارک کو دیکھنے کیلئے نیبراسکا سٹی گئی ——— اکسٹھ برس کے طویل عرصے میں وہ ایک بار بھی نیبراسکا سٹی نہیں آئی تھی ——— بہار میں کھلے ہوئے پھولوں کی وجہ سے باغ بڑا خوبصورت لگ رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا انہیں وہیں درختوں کے سائے میں بیٹھ کر کھانا تھا۔ اسکے بعد انھیں کار میں بیٹھ کر شہر کا رخ کرنا تھا تاکہ امالیا اس جگہ کو پھر دیکھ سکے جہاں گیا ہستان کو جانے والی پگڈنڈی کے پاس اسکی شادی ہوئی تھی ——— درختوں کے سایوں میں اور بھی کئی محفلیں سجی تھیں۔ مارل کو امید تھی کہ یہاں اسکا کوئی شناسا نہیں ملے گا کیونکہ دادی اماں کی موجودگی میں وہ لوگوں سے ملنے میں کتراتی تھی۔ ان دنوں دادی اماں بڑی عجیب سی شے ہو کر رہ گئی تھیں۔ اسکے قریب جو ٹکڑی بیٹھی تھی اسمیں سیدار سٹی کے

بنک کا منتظم کارٹر میٹر بھی تھا۔ جو اسے جانتا تھا کیونکہ ایک بار وہ اسکے بنک میں کسی کام سے جا چکا تھا۔ اسکے ساتھ جو ایک عورت اور لڑکی بیٹھی تھی وہ یقیناً اسکی بیوی اور بیٹی ہوگی۔ مارٹی ان سے ملنے کی خواہش مند تھی کیونکہ وہ لوگ بڑے شائستہ نظر آتے تھے۔

"سپید بالوں والا جو شخص انکے ساتھ بیٹھا ہے، میرے خیال میں وہ اسکا والد میتھیاس میٹر ہے۔" جو نے کہا ــــــــ

یہ نام سنتے ہی امالیا کے دل کو اچانک دھکا لگا۔ وہ کانپ سی گئی۔

"تم نے کیا نام بتایا جو؟"

"میتھیاس میٹر ـــــ چند برس پہلے وہ لنکن میں رہتے تھے۔ اب وہ سیدار سٹی میں منتقل ہو گئے ہیں۔"

OVER

"الی نائیس میں بھی ایک میٹر نام کا آدمی تھا۔"

"ضرور ہوگا ـــ یہ تو بڑا عام سا نام ہے۔"

کھانا ختم ہوا تو امالیا ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئی ـــــ وہ سوچنا چاہتی تھی۔ میتھیاس میٹر! وہ تو اکثر اسکے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ پرانی وضع کے سیاہ لباس اور ایک چھوٹے سے سیلے ہیٹ میں ملبوس بوڑھی امالیا بیٹھ کر سوچنے لگی کہ کیا یہ واقعی وہی آدمی ہو سکتا تھا ـــــ ایک عمر گذر جانے کے بعد!

اور پھر اس نے دیکھا کہ وہ سپید بالوں والا لمبا تڑنگا سا معمر شخص پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ادھر ہی آ رہا تھا جہاں وہ بیٹھی تھی۔ بوڑھی امالیا نے اسے دور ہی سے دیکھ لیا تھا حالانکہ اسکی بینائی اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ وہ پڑھ نہیں سکتی تھی۔ وہ اسے جانتی تھی، اسکی چال، اسکے کندھے اور نہایت باوقار انداز سے سر کو اٹھائے رکھنے کا انداز

.... اپنے دل اور یادوں کی مدد سے وہ اسے پہچان گئی تھی۔ برس کا برس کی خلیج پار کر کے اسکا تصور اسے وہاں لے گیا جہاں ملیتھیاس اچھل کر گھوڑے سے اتر کر اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاں، بوڑھی امالیا اسے جانتی تھی ———— دفعتاً اسکے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اسکا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کیا اسے آواز دیکر روکنا چاہیئے؟ یا اٹھ کر خود اسکی طرف جانا چاہیئے؟ کیا اسے بتا دینا چاہیئے کہ وہ کون ہے؟ کیا اسے اس سے بات کرنی چاہیئے؟ یا اسے خاموش رہنا چاہیئے؟ وہ گم سم سی بیٹھی اپنی سال خوردہ آنکھوں سے اسکی طرف تکتی رہی ————

اگر امالیا نے ایک خوبرد سے بوڑھے شخص کو دیکھا تھا تو ملیتھیاس میٹر کی نگاہیں بھی چھوٹے سے قد والی ایک عجیب و غریب سی بڑھیا کی طرف اٹھیں تھیں۔ اسنے دیکھ لیا تھا کہ بھورے رنگ کی ایک گڑیا سی عورت اپنی زرد اور نم آلود آنکھوں سے اسکی طرف تک رہی تھی ہے۔ پرانی وضع کے مضحکہ خیز سے کپڑوں میں ملبوس یہ مختصر سی عورت کچھ ایسی عجیب و غریب لگ رہی تھی کہ ملیتھیاس نے اسکی طرف دیکھکر مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ ہاں، درختوں کے نیچے بیٹھی ہوئی وہ اسی ماحول کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔

"بہار پھر آگئی"، اسے مخاطب کرتے ہوئے ملیتھیاس نے کہا۔

"ہاں"، امالیا نے جواب دیا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرنے کی کوشش کی۔ یہ سب اسے بڑا عجیب اور انوکھا سا لگ رہا تھا۔ اس کے باوجود یہ بڑا جانا پہچانا سا بھی تھا۔ کسی ایسی بات کیطرح جو مدتوں پہلے سنی ہو۔ اور آج تک نہ بھلائی جا سکی ہو ——

"بہاریں تو آتی ہی رہتی ہیں" امالیا نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

"خواہ ہم بوڑھے ہی کیوں نہ ہو جائیں" مِتھیاس نے اضافہ کیا۔

اس نے بینچ کے سرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گیا اور وہ چھوٹے سے قد والی عجیب و غریب سی بوڑھی عورت، وہیں بیٹھی سر ہلاتی رہی۔ اس بات کی تائید میں سر ہلاتی رہی کہ انکے بوڑھے ہو جانے کے باوجود بہار آگئی ——

کیونکہ نوجوان مِتھیاس میٹر کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ کبھی اس طرح بیٹھ سکیں گے؟ اور بوڑھا مِتھیاس میٹر یہ جان سکتا تھا کہ اس نے امالیا سے بہار میں ملنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ——

۳۳
تینتیس

نیل نے ابھی ہائی اسکول کی تعلیم مکمل بھی نہیں کی تھی کہ جو اور مارٹی ویسٹ ویل میں منتقل ہو گئے۔

مارٹی نے ایک بہت بڑا مکان پسند کیا حالانکہ جو نے کافی کوشش کی وہ کسی چھوٹے سے مکان میں رہنے پر آمادہ ہو جائے —— اسے نیدری کراتنر سے کچھ روپیہ قرض لینا پڑا۔ ویسٹ ویل بنک سے وہ وہ پہلے ہی اتنا قرض لے چکا تھا جتنا بنک کے قانون کے مطابق اسے مل سکتا تھا۔

جو اس قرض کے متعلق پریشان رہتا تھا جو وہ لے چکا تھا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی نصیحت کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ وہ اکثر اپنے آپ کو اور مارٹ کو یہ مقولہ یاد دلاتا رہتا کہ قرض ایسا درندہ ہے جسکا ناشتہ مکان ہوتے ہیں اور رات کا کھانا فارم ——
لیکن مارٹ اس بات پر ہنس دیتی اور کہتی کہ ان کے کھیتوں کی قیمت کم از کم ایک سو چھیالیس ہزار ڈالر ہے۔

"یہ ہمارا قیاس ہی تو ہے۔ ہمیں صحیح قیمت کا پتہ تو نہیں۔"

ان برسوں میں جو کی فصلیں اچھی قیمت پر لگ گئی۔ انہوں نے اور بھی بڑی کار خرید لی۔ اب کہیں جاکر مسز جوزف روڈن ہومز کو یہ احساس ہوا کہ وہ صحیح معنوں میں زندہ ہے۔

لیکن جو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ زندگی اسکے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے، اداس رہتا تھا —— وہ تقریباً ہر روز کار لیکر فارم پر چلا جاتا —— پرانے مکان کی حالت خستہ ہوتی جارہی تھی۔ بہار کی بارشیں فصل کے ایک اچھے خاصے حصے کو بہا کر لے گئیں —— باڑیں ٹوٹ گئیں۔ گلابی رنگ جو مارٹ نے مکان پر لگوائی تھی، اکھڑنے لگی تھی۔ صابن بنانے والی پرانی کیتلی ایک زنجیر سے لٹک رہی تھی لیکن پھول مرجھا چکے تھے۔

کبھی کبھی جو سارا دن انہیں کاموں میں صرف کر دیتا۔ دوپہر کا کھانا وہ بوڑھی اما الیا کے ساتھ کھا لیتا۔ وہ اب اسی برس کی ہو گئی تھی لیکن گھر کے کام کاج میں اسے اب بھی کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح صاف ستھری رہتی تھی۔ اس سے بات کر کے جو کو بڑی تسکین ملتی ——

۱۹۲۹ء میں نیل نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ کبھی کبھی

امالیا کو اس بات پر تعجب ہوتا کہ اس میں مارٹی کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ وہ ایمل کی طرح پرشور، ہرمن کی طرح طاقتور اور شاید کسی حد تک ولہیم اسٹالنز کی طرح خود پسند تھا۔ اس میں امالیا کی بھی کچھ خوبیاں موجود تھیں لیکن امالیا کو اس بات کا احساس نہیں تھا۔

تاہم اسے اس بات کا ضرور احساس تھا کہ اپنی جماعت میں نیل سب سے زیادہ خوبرو لڑکا ہے۔ اسکا یہ خیال غلط نہیں تھا کیونکہ وہ مضبوط کاٹھی کا ایک لمبا تڑنگا نوجوان تھا۔ اسکی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی مسکراہٹ نے اسکی دلکشی میں اور بھی اضافہ کر رکھا تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ اسکی شخصیت نے اسے اس ادارے کا ممبر بننے میں بڑی مدد دی۔ جس نے اس موسم خزاں میں ایتھیاس کا یونیورسٹی والا پرانا مکان خریدا تھا کو اس معاملے میں اس کے یہ اوصاف بھی کام آتے تھے کہ وہ فٹ بال کا کھلاڑی تھا اور اسکے پاس اپنی کار تھی۔

۳۴

چونتیس

پچھلے دس برس سے سیدار سٹی کے لوگ بوڑھے ایتھیاس میٹر کو سڑکوں پر آتے جاتے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ وہ ہر روز اپنے بیٹے کے گھر سے بنک تک جاتا اور راستے میں ہر کسی سے رک کر بات کرتا۔ کبھی کبھی وہ لنکن شہر میں بھی جاتا رہتا جسکی آبادی مکڑی کی چار کوٹھریوں سے بڑھتے بڑھتے اب اسی ہزار کی ہو گئی تھی۔ وہاں وہ پہلے

دوستوں سے ملتا یہ دیکھنے کے لئے کہ اسکا پرانا مکان اب کیسا لگتا ہے، وہ اسکے سامنے سے ضرور گذرتا۔ کانگریس کے اجلاس کی نئی عمارت بھی ضرور دیکھتا کیونکہ اس میں اسے اپنے خوابوں کی تعبیر دکھائی دیتی تھی۔

یہ عمارت اگرچہ ادھوری تھی تاہم اسے دیکھکر یہ احساس ہوتا ضرور تھا کہ مکمل ہونے کے بعد یہ ہر اعتبار سے مثالی ہوگی۔ وسے دیکھ کر اسکی روح کو بڑی تسکین ہوتی تھی۔ اس کا پھیلاؤ گیا ہستان کی طرح وسیع تھا۔ اسکے اوپر جو اونچا مینار کھڑا ہونے والا تھا وہ گویا ان خوابوں کی نمائندگی کریگا جو اس ریاست کے معماروں کے دلوں میں پل رہے تھے۔

اس بات سے کوئی واقف نہ تھا لیکن اسکا دل چاہتا ضرور تھا کہ کاش وہ اس کمیشن کا رکن ہوتا جسکے سپرد اس عمارت کی تعمیر کی نگرانی تھی —— لیکن وہ تو بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔

ایک بار وہ اور چارلی برگمن دونوں اس عمارت کو دیکھنے گئے۔

"یوں لگتا ہے چارلی جیسے تم نے ہزاروں برس پہلے مجھے یہاں آنے کے لئے اکسایا تھا"

"لیکن مجھے تو یوں لگتا ہے میٹ جیسے یہ کل کی بات ہو"

"میری خواہش ہے کہ اس عمارت کے مکمل ہونے تک میں زندہ رہوں"

"میری بھی یہی خواہش ہے میٹ"

لیکن اب لنکن کے وہ دور سے ختم ہو چکے تھے۔ یہی نہیں اسنے تو اب بینک جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس موسم بہار میں ہر روز جب نرم گرم دھوپ پھیلی ہوتی، وہ چند گھنٹوں کیلئے باہر بیٹھا

رہتا ــــ وہ منتظر تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ اب ....

حال ہی میں اسمیں ایک تبدیلی آئی تھی اور وہ یہ کہ وہ گھنٹوں بیٹھا بھولی بسری پرانی یادوں کو کریدتا رہتا ۔ دفعتاً اسے احساس ہوا تھا کہ وقت کی دھند میں لپٹے ہوئے واقعات بڑی آسانی سے یاد آتے چلے جاتے ہیں ــــــ

اس سہ پہر کو اس نے ماضی کے تاریک خلاؤں میں بکھرے ہوئے چند منظر اپنے ذہن میں تازہ کئے اور پھر انہیں کچھ اور تصویروں کے ساتھ جوڑنے لگا ــــ زندگی کے کچھ پہلو ایسے تھے جو بہتر بن سکتے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو یونہی ٹھیک تھے کتنی عجیب بات تھی کہ جن چیزوں کو وہ کسی زمانے میں بہت اہم سمجھتا تھا وہ اب بہت ادنیٰ حیثیت کی حامل تھیں اور جنہیں وہ ان دنوں قابل اعتنا بھی نہیں سمجھتا تھا ۔ وہ اب بہت اہم لگتی تھیں ــــ کون سے مرحلے پر زندگی کو نیا موڑ لینا چاہئے تھا ، مختلف ہو جانا چاہئے تھا ؟ زندگی جسطرح گذری اس میں تقدیر کا کس حد تک دخل تھا ؟ کس حد تک اس نے خود اپنی تقدیر کا فیصلہ کیا تھا ؟

دفعتاً اسے اپنی پہلی محبت یاد آئی ۔ ماضی کی دھند سے نکل کر اٹالیا ایسے واضح خدوخال کے ساتھ اسکے ذہن میں در آئی جیسے وہ کوئی تصویر دیکھ رہا ہو ۔ اسے برسوں سے اسکا خیال نہیں آیا تھا ۔ لیکن وہ نیلی آنکھوں والی سپید اور گلابی سی گڑیا آج پھر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اسکے سامنے آکھڑی ہوئی تھی ۔ وہ بالکل افسانوی محبوبہ تھی ۔ ایدا اسکی بیوی اور دوست ضرور لیکن اس کے ساتھ خواب اور ہیجان انگیزیاں وابستہ نہیں تھیں ۔

یہ تو صرف امالیا ہی کا حصہ تھا۔ حالانکہ جسمانی لذت کی آنچ اس میں مدتوں پہلے سرد ہو چکی تھی، لیکن امالیا کے گلابی ہونٹوں کے لمس کی یاد سے ایک لمحہ کے لیئے اس کے وجود میں گرمی کی لہر دوڑ گئی ——

ہاں! زندگی میں کچھ چیزوں کا فیصلہ ہم خود کرتے ہیں اور کچھ میں ہم بدقسمتی کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ اگر وہ نیپر اسکا سٹی میں بر وقت پہنچ جاتا کیا ہوتا؟ شاید بیوی کی حیثیت سے ایدا ہی اسکیلئے زیادہ بہتر رہی ہو۔ اسی لیئے تو نصف صدی تک ایدا کی جگہہ کسی اور عورت کا وہ تصور بھی نہ کر سکا تھا ——

ہیزل اسکی طرف آرہی تھی —— ہیزل اور ریسٹ قد امالیا .... دو نوجوان لڑکیاں لیکن کتنی مختلف —— کیا دو نوجوان لڑکیوں میں اس سے زیادہ عدم مطابقت ممکن تھی؟ وہ اپنے اس خیال پر مسکرا دیا ——

"میں اپنی پہلی محبوبہ کے بارے میں سوچ رہا تھا" اس نے ہیزل کو بتایا۔

ہیزل کو کر بد پیدا ہوئی۔ وہ اب چھوٹی سی لڑکی نہیں تھی جو کسی لڑکے کے سہارے کی ذرہ برابر بھی آرزو مند تھی۔ "آپ کی مراد کسی اور لڑکی سے ہے؟" دادی اماں سے نہیں؟ کیا وہ مر گئی؟"

"نہیں اس سے بھی الم انگیز بات ہوئی۔ اس نے کسی اور سے شادی کر لی۔"

"ہاں ہاں کہیئے، مجھے پورا واقعہ سنا یئے"

"سے ہی کیا جو سناؤں۔ میرے خیال میں اس واقعہ کا بہار

سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے ۔ ایک نیلی ، سپید اور گلابی سی گڑیا
ایک تاریک دکان میں روشنی کی کرن کی طرح آگئی ——— دنیا
میں صرف ایک تم ہی ہو جسے میں نے یہ بات بتائی ہے ۔ پھر
وہ لوگ اس علاقے میں چلے گئے ۔ میں بھی انکے پیچھے پیچھے یہاں
آگیا ——— "

" اس کے بعد آپنے اسے کبھی نہیں دیکھا ؟ اسکا ذکر بھی نہیں
سنا ؟ "

" خبر تو ایک بار اسکے بارے میں ملی تھی لیکن اسے میں نے دیکھا نہیں "
اپنی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ ہیزل آگے کی طرف
جھک گئی ۔

" اسکے علاوہ بھی آپ نے کبھی کسی سے پیار کیا ؟ "

وہ ہنسا ۔ " ہاں کیا تھا ——— ان دنوں میں نوجوان تھا ۔
زندگی اپنی تمامتر عزائموں کے ساتھ میرے وجود میں مچل رہی تھی
لیکن اس کے باوصف ہم کسی بھی جذباتی لمحے کو یکسر نہیں بھلا
پاتے ۔ مگر اس واقعے کو تو میں بھول ہی گیا تھا ...... اب
بھولا رہا ہوں "

" تو اب کیسے یاد آگیا دادا ابا ؟ "

" ایک مرغزاری لوے کے چہکنے سے "

" واہ کیا خوبصورت کہانی ہے ۔ اس کا نام کیا تھا ؟ "

" پچھلے ساٹھ برس میں میں نے یہ نام کبھی زبان سے نہیں بولا ۔
اسکا نام تھا ۔ امالیا "

" امالیا ——— کتنا اچھا نام ہے ۔ ہے نا ؟ "

"یہی بات کبھی میرے ذہن میں بھی آئی تھی ۔۔"
سرکاری عمارت کو دیکھنے کیلئے ملیتھیاس میٹر زندہ نہ رہ سکا چند ماہ بعد اسکا انتقال ہو گیا ۔

رسوم سے فارغ ہونے کے بعد کارٹر نے اپنے والد کا پرانی وضع کا ٹرنک نکالا اور اسے کھولا ۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ تہہ کیئے ہوئے کاغذوں اور بہی کھاتوں کو دیکھتا رہا ۔ ان پرانے کاغذات میں کوئی کام کی چیز نہیں تھی ۔ بنک کی تجوری میں جو اسکے والد کا مقفل صندوقچہ پڑا تھا اس میں البتہ کچھ اہم چیزیں تھیں ۔ اس میں سے اسکی اپنی اور اسکی ماں کی کچھ تصویریں نکلیں جو اس نے لوسی اور ہیزل کو دکھائیں ۔

آخر میں اس نے ایک زرد سا کاغذ نکالا ۔ ہاتھ لگاتے ہی کاغذ کے چند ٹکڑے ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا ۔ اس پر جرمن میں کچھ عبارت لکھی تھی ۔

"تمہیں جرمن تو آتی ہے نا ہیزل ؟"

" معمولی سی ۔ لایئے کوشش کرتی ہوں ۔" ٹکڑوں کو میز پر رکھ کر اس نے انہیں بڑی احتیاط سے جوڑا اور پڑھنے لگی ۔
" (اسٹ ایند بیسر) اسکا مطلب ہے ، یہی مناسب ہوگا ۔"

اسکا والد اور والدہ بڑے غور سے اسے سن رہے تھے ۔ وہ خوش ہو رہے تھے کہ انکی بیٹی کتنی ہوشیار ہے ۔

"زوگیدن کن ، یعنی ' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل میں محفوظ کر کے صبر کر لیں ' اور ' ام فرد جا ہر ' اسکا مطلب ہے ' ہم بہار کے ان لمحوں کو ' "

اور پھر دفعتاً پہلی بار اسے اماں لیا لکھا دکھائی دیا۔ اور اس کے
ساتھ ہی اسکے ذہن میں ایک برس پرانی کوئی بھولی بسری سی یاد اور
کسی مرغزاری لوے کی چھپاہٹ ابھرنے لگی۔ یہ خط دادا ابا کی
پہلی محبوبہ کا تھا ——

"دنیا میں صرف ایک تم ہی ہو جسے میں نے یہ بات بتائی ہے"
انہوں نے کہا تھا۔ باقی کی عبارت اس نے صرف اپنے آپ ہی کو
پڑھ کر سنائی۔ یہ ان کا راز ہے اور وہ اس راز کو فاش نہ کریگی
اپنے باپ اور اپنی ماں کے سامنے بھی نہیں ——

"آن سیر لیبے" —— "جو ہماری محبت کے امین ہیں" اس مختصر
سے خط نے اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا کر دی
ساری شام اسکی روح پر ایک بے نام سی اداسی چھائی رہی۔
یہ امر تو اسکیلئے باعث مسرت تھا کہ انہوں نے دادی اماں سے
شادی کی لیکن اس ایک جملے نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا
تھا کہ کس طرح اسکے ماہ و سال کا قافلہ اونچی گھاٹیوں سے گذرتا
رہا، رخ بدلتا رہا لیکن ہر گام پر، ہر موڑ پر محبت ان کے ساتھ
ساتھ چلتی رہی۔

یہی مناسب ہوگا کہ ہم بہار کے ان لمحوں کو، جو ہماری
محبت کے امین ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے میں محفوظ کر کے
صبر کر لیں ——

—— — —— — —— — ——

۳۵
پینتیس

۱۹۳۰ء کی خزاں میں ہیزل سٹر نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔
لوسی اسکے کپڑے خریدنے کے لیئے اپنے ساتھ اٹلانٹا لے گئی ——
کارٹر نے جب بل دیکھا تو بڑی دیر تک اونچے سروں میں
سیٹی بجاتا رہا۔ جتنا نقصان بینک کے کاروبار میں اب ہوا تھا اتنا
تو اگر اسکی زندگی کے منڈے کے تمام برسوں کے نقصانات کو
یکجا کیا جاتا تو کبھی نہیں بنتا تھا۔ اسے ہر روز اپنے ڈالر کی کمی کا
احساس ہوتا رہا تھا ——

یونیورسٹی میں اپنے داخلے کے تیسرے برس ایک روز موسم بہار
میں ہیزل لائبریری میں گئی۔ وہ چپکے سے جاکر اس کرسی پر بیٹھ گئی
جسکے بالکل سامنے، میز کے دوسری طرف قانون کا ایک طالبعلم بیٹھا
پڑھ رہا تھا۔ اس خوبرو سے نوجوان کا نام نیل ہومز تھا۔ ہیزل
نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی لیکن وہ تو اپنی موٹی سی کتاب
میں کھویا ہوا تھا —— لیکن چند ہی لمحوں بعد اس نوجوان
نے ایک کارڈ اسکی طرف سرکا دیا۔ اس کارڈ پر اس نے اپنا نام لکھا
تھا اور چند کتابیں اپنی طرف سرکانے کیلیئے درخواست کی تھی۔
پھر تو یہ کارڈ ادھر ادھر سرکتا ہی رہا۔ ہر بار عبارت پہلے سے طویل تر
ہوتی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ہیزل نے اسکے
ساتھ ایک دعوت پر جانے کیلیئے آمادگی کا اظہار نہ کر دیا۔
پہلی ملاقات ہی میں وہ اسے پسند آ گئی تھی۔ اسکی ایک اچھی بات یہ

ناخن ایسی چکنی اور ملائم جلد، بھوری آنکھیں، لا ابالی باتیں، ہیٹ کو ایک طرف ترچھا رکھنے کا منفرد انداز، غرضیکہ اسے اس کی ہر چیز پسند تھی۔

ایسا نوجوان، لا ابالی جوڑا مشکل ہی سے مل سکتا تھا ——

اور پھر کارٹر سیٹھ کا بینک بند ہو گیا ——

ملک کے مشرقی حصے میں جو اقتصادی بحران پھیلا اور بینک کے کاروبار میں آفتیں آئیں، انکا ذکر اس شہر کے لوگ پہلے بھی سن چکے تھے۔ لیکن اسوقت انہیں یہ قصے دور کی بات لگتے تھے ——
یوں لگتا تھا جیسے سیدار سٹی ہر آفت سے محفوظ رہیگا۔

کارٹر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، منصوبے بنائے، جال پھیلائے اور دوڑ دھوپ کی۔ کبھی کبھی اسے آفتوں کی بے انصافی پر بڑا غصہ آتا —— دوسرے لوگ جو اس سے کسی طرح بہتر اور ہوشیار نہیں تھے، ان آفتوں سے سلامتی کے ساتھ گذر رہے تھے ——

ان مصیبتوں سے بچ نکلنے کیلئے اسے صرف وقت درکار تھا۔ ایسے دن بھی آتے جب اسے اپنی کامیابی کا مکمل یقین ہوتا اور ایسے بھی جب اسکی ہار ناقابل تردید سچائی بنکر سامنے آجاتی —— بنک بند ہی رہا —— زندگی کو اپنی خواہش کے مطابق چلا لینا ممکن نہیں ہوتا ——

اسے وہ سارا روپیہ بھی خرچ کرنا پڑا جو اسکا والد اسکیلئے چھوڑ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنا مکان بیچ دیا اور کرائے کے کمرے میں رہنے لگا۔ مارتھی کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان پر ایسی قیامت ٹوٹ سکتی ہے۔

اس کے اور کارٹر کے والدین نے ان تھک محنت زندگی کے ابتدائی
حصے میں کی تھی جبکہ انہیں یہ کڑے کوس ڈھلتی عمر میں طے کرنے پڑ رہے
تھے۔ ان کے لیئے یہ مرحلہ کہیں زیادہ صبر آزما تھا کیونکہ انھیں اکسانے
کیلئے جوان امنگیں اور امیدیں بھی تو نہیں تھیں۔

جو ہومر ہر وقت اپنی تقدیر کی گردش کے متعلق سوچتا رہتا۔
اگر وہ مارٹی فارم ہی پر رہکر اپنی روزی کماتے تو اسکے سر قرض کی یہ
تلوار تو نہ لٹک رہی ہوتی۔

مکان میں لگے ہوئے اچھے بھلے پرانے پتھروں پر گلابی رنگ
کی تہہ چڑھانا زندگی کے حقیقی چہرے پر تصنع کا پردہ ڈالنے کے
مترادف تھا۔ اگر ہمارے پاس گذراوقات کیلئے کافی روپیہ اکٹھا ہو
جائے تو اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم کام کرنا بند کر دیں؟ کام سے
زیادہ اچھی چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ اسکا جسم ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ حالانکہ
ابھی وہ پچاس برس کا بھی نہیں ہوا تھا۔

لیکن اسے مارٹی کو یہ الزام نہیں دینا چاہیئے۔ گھر کا رکھیا تو وہ
خود تھا، کم از کم ہونا تو اسے ہی چاہیئے تھا۔

دوسرے کسان ان آفتوں سے بچ نکلے تھے۔ کیونکہ انہوں نے
سمجھ بوجھ سے کام لیا تھا۔ وہ گھر ہی کے مکھن، انڈوں، مرغیوں
اور سبزیوں پر گزارہ کرتے رہے تھے۔

فارم والے گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھا وہ صابن بنانے والی پرانی
کیتلی کو تک رہا تھا جسکے پھول مرجھا چکے تھے۔ دفعتاً اسکے ذہن میں
خیال آیا کہ اسکا حشر بھی دوسری تمام چیزوں کیطرح ہوا تھا۔ ہر موسم
بہار اور خزاں میں اسکی دادی اسمیں اتنا صابن بنایا کرتی تھی جو

چھ مہینے کیلئے کافی ہوتا تھا۔ اسکی ماں نے یہ کیتلی مزدوروں کو سوروں کا چارہ بنانے کے لیئے دیدی، اور اسکی بیوی نے اسمیں پھول اگالئے۔ زندگی کے متعلق ان کا نقطہ نظر یہی ہو کر رہ گیا تھا کہ تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے کی بجائے ان پر پھولوں کی چلمن بچھا دی جائے ——

صابن بنانے والی کیتلی کے پھول مرجھا چکے تھے ——

ختم ہفتے پر اس نے نیل سے اس مسئلے پر بات کی۔ نیل مصر تھا کہ انھیں مارتھا کو بتا دینا چاہیئے کہ ان کا شہر والا مکان اور زمین کا بیشتر حصہ بک چکا ہے

"تو ہم پتھروں والے مکان میں چلے جائیں گے مارتھا" جو نے کہا "میں پھر کھیتوں میں کام کروں گا کم از کم قرضے میں اضافہ تو نہیں ہوگا۔"

"لیکن یہ تم کیسے کر سکو گے جو؟ کیسے کر سکو گے؟" اس نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسے اپنی سانس رکتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اسکا ایک ہاتھ گلے پر تھا۔

جو تو شاید ڈاکٹر کو بلوا لیتا لیکن نیل پر کوئی اثر نہ ہوا

"آنسو بہانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا" اس نے اپنی ماں سے کہا "آپ کو فارم پر واپس جانا ہی ہوگا، وہاں کی زندگی کو اپنانا ہی پڑے گا۔ یہ بھی خدا کا شکر ادا کیجئے کہ سر چھپانے کے لیئے فارم اب بھی موجود ہے۔"

جو حیرت اور تحسین کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھتا رہا ——

باب ۳۶
چھتیس

نیل اور ہیزل دونوں واپس یونیورسٹی لوٹ چکے تھے۔ ہیزل اب بہت سنبھل کر تدریج کرتی تھی۔ نیل نے ایک معمولی سی نوکری تلاش کر لی تھی۔

تعلیم کے خاتمے پر ان دونوں کی منگنی ہو گئی۔ ہیزل کا ارادہ ایک سال کے لیئے پڑھانے کی نوکری کرنے کا تھا۔ نیل نے کچھ عرصہ فارم پر رہ کر اپنے والد کا ہاتھ بٹانا چاہا تھا اس کے بعد اسکا ارادہ وکالت کی پریکٹس شروع کرنے کا تھا۔

اب کی گرمیاں بڑی تباہ کن تھیں خشک سالی کا دور دورہ تھا جنوب و مغرب کی طرف سے گرم بگولے اٹھتے رہتے۔ پروں لپیٹے باریک تنک بادل نیلے آسمان پر دکھائی دیتے اور پھر دوسرے ہی لمحہ غائب ہو جاتے۔ گھاس یوں جھلس گئی تھی جیسے گیا ہستا کی آگ کی نذر ہو گئی ہو۔

ستمبر میں بارش ہوئی لیکن پانی دھرتی میں جذب ہونے کی بجائے بہہ گیا۔ کیونکہ زمین گرمی کی وجہ سے سخت ہو گئی تھی۔ تاہم بارش روئی کے لیئے گندم لیکر آئی تھی۔ نئی امنگوں اور نئی امیدوں کا پیغام بن کر آئی تھی۔

جو کو اپنی دادی اماں کی فکر لگی رہتی تھی جو اپنے چھوٹے سے گھر میں اکیلی تھی۔ لیکن امالیا اپنے آپ میں مگن تھی۔ "میرے لئے تو اپنی ہی ذات کسی انجمن سے کم نہیں" وہ جواب دیتی۔ "جب جی

چاہتا ہے کام کرتی ہوں، جب جی چاہتا ہے سو جاتی ہوں، جی چاہتا ہے تو چادر سینے لگتی ہوں اور اگر کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا تو آرام کرتی ہوں۔"

جو آدر نیل دونوں کا سلوک اس سے بہت اچھا تھا۔ بُرا برتاؤ اس سے نارتی بھی نہیں کرتی تھی، بس یہ تھا کہ اپنی ہی الجھنوں میں بری طرح گھری رہتی تھی ____________

بہار میں امالیا بڑی کمزور دکھائی دینے لگی تھی۔ اب وہ باہر بہت کم نکلتی تھی۔ لہٰذا نیل اسکے لیئے ریڈیو خرید لایا۔ فوراً ہی وہ اسکی دلدادہ ہو گئی۔ خصوصاً خبریں سنتا تو اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اپنا نیا کمبل اوڑھ کر وہ بیٹھ جاتی اور تازہ خبریں سنتی رہتی جو اسے دور افتادہ علاقوں میں ہونے والے واقعات کا پتہ دیتی تھیں ____________

۳۷
سینتیس

وسطی مغرب میں بہار گرد کے طوفان کی صورت میں نمودار ہوئی ہیزل ان دنوں ریپبلکن وادی کے اروِنگ نامی ایک چھوٹے سے قصبے میں منتقل تھی۔ یہ قصبہ اس جگہ سے، جہاں سے یہ طوفان شروع ہوا تھا، قریب ہی تھا۔ طوفان جب یہاں پہنچا تو گرد کا رنگ سرخی مائل زرد تھا۔ مغربی حصے کے دور تر علاقے میں لوگ مدتوں سے ریتیلے کیا ہتا ان میں کاشت کر رہے تھے ____

یہ طوفان نیل اور اس کے والد کے لیۓ باعث تشویش تھا۔
لیکن امالیا کو اسکی فکر نہیں تھی۔ برس ہا برس سے اس کا سابقہ
رنگ بدلتی فطرت سے پڑ رہا تھا۔ "آخر میں سب ٹھیک ہو جاتا
ہے" وہ بولی۔

اور واقعی سب ٹھیک ہو گیا۔ جھگڑے بند ہو گئے۔ برفباری
شروع ہوئی اور پھر بارشیں آگئیں ہر طرف تازہ سبز گھاس نظر
آنے لگی۔ پھول کھل اٹھے۔ امالیا کی زندگی کی یہ چھیاسیویں
بہار تھی۔

نیل ہیزل کو کار میں بٹھا کر واپس اوٹنگ چھوڑنے جا رہا
تھا وہ ختم ہفتے پر اپنے والدین سے ملنے آئی تھی نیل نے اسے
بتایا کہ اس نے وکالت شروع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔
وہ فارم ہی پر کام کرنا چاہتا ہے۔

"اب میں کسان کی بیوی تو بننے سے رہی" ہیزل نے کہا۔
"خدا کے لیۓ اسکا خیال چھوڑ دو۔ ایسی بات پھر کبھی نہ کہنا"

"ضرور کہوں گا کہ میں اپنا ارادہ نہیں بدل سکتا۔ ہر شخص کو
اپنی زندگی اپنے پیشے کے متعلق سوچنا پڑتا ہے، منصوبے بنانے
پڑتے ہیں اور میں نے اپنے لیۓ اسی کام کا انتخاب کیا ہے کہ
اس لمبے چوڑے فارم کی تنظیم اپنے ہاتھ میں لیکر اسے سلیقے
سے چلاؤں میں جانتا ہوں کہ میں اسے چلا لوں گا"

"اس قسم کے فیصلے کرنے کا حق میرا ہے"

"ٹھیک ہے لیکن اس کام کے بارے میں تم فیصلہ نہیں کر
سکتیں۔ میں جانتا ہوں ہیزل کہ اسے کیسے چلایا جا سکتا ہے"

"لیکن میں تو کیتھی باڑی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"تم وکالت کے بارے ہی میں کیا جانتی ہو؟"

"جان تو سکتی ہوں۔"

"تو پھر کیتھی باڑی کے بارے میں بھی جان سکتی ہو۔"

کار اروِنگ میں پہنچ کر ہیزل کے گھر کے سامنے رک گئی۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس بحث کا خاتمہ کیسے ہو گا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے تعلقات ختم۔" ہیزل نے کہا۔

"مجھے ایک بات اور کہنی ہے۔ تم ایک ایسے نوجوان سے شادی کرنے والی تھیں۔ جو ایک طویل، دشوار گذار چڑھائی پر روانہ ہونے والا تھا۔ اگر تم اس مرحلے پر اسکا کہنا مانتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکتیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ تمہیں اسکا اصل چڑھائی کا مقصد پسند آتا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں بروقت اسکا احساس ہو گیا۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ یہ نوجوان اگر اسی راہ پر چلے جس پر چلنا چاہتا ہے تو بہت جلد بلندی تک پہنچ جائے گا۔"

دروازے پر پہنچ کر نیل نے کہا "تمہارے سوا میں نے کبھی کسی کو نہیں چاہا ہیزل، پوری دنیا میں میرے لیے تمہارے سوا کوئی نہیں۔" شاید وہ اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حائل کر دیتا لیکن ہیزل نے بڑے درشت لہجے میں جواب دیا "ہے کیوں نہیں؟ تم خود جو ہو۔" ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ گھر کے اندر چلی گئی۔

۳۸

اڑتیس

بہار کی بارشیں، موسلا دھار بارشیں نشیبی حصوں میں سیلاب آیا۔ سیلاب ہومز گھرانے کے کھیتوں پر بھی حملہ آور ہوا۔ نیل سارا دن کام میں جتا رہتا۔

چپکے سے اس نے بوڑھی امالیا کے جھونپڑے کے گھر پر بھی دستک دی۔ جہاں وہ بیٹھی چادر سی رہی تھی اور ان دور دراز علاقوں کی خبریں سن رہی تھی جن کا اس نے آج تک نام بھی نہیں سنا تھا۔ سیلاب کا پانی پرانے جرمن دیہاتی گرجا سے بھی ٹکرایا اور اس نے کراتنز اور شافر، گیبارت اور رودن باش گھرانے کے لوگوں کی قبروں پر بھی یلغار کی۔ یہ انہیں لوگوں کی قبریں تھیں جو ساٹھ برس پہلے ایک ساتھ گیا ہستان میں داخل ہوئے تھے۔

سیلاب نے لنکن میں اس کہا۔ ریڈ کے کمروں والی عمارت پر بھی چڑھائی کی جس میں کارٹر اور لوسی میسر رہتے تھے۔ اس کا پانی اس پتھر سے بھی ٹکرایا جو میتھیاس میسر اور اسکی بیوی ایدا کی قبروں پر لگا تھا۔ یہ قبریں "ولیوکا" میں تھیں۔ اس قبائلی لفظ کا مطلب ہے لیٹنے اور سونے کی جگہ۔

اروِنگ نامی چھوٹے سے قصبے میں گھر سے سکول جاتے اور واپس آتے ہوئے بارش کے تھپیڑے ہیزل میٹر پر بھی پڑتے

زندگی اب کچھ عجیب سی ہو کر رہ گئی تھی۔ زندگی کا سارا حسن، ساری دلکشی ختم ہو چکی تھی۔ کام کے سوا کچھ باقی نہ بچا تھا۔

اس صبح اس نے اپنے والدین کو خط لکھنے کے لئے وقت نکال ہی لیا ——— دوپہر کو خط ڈاک میں ڈال کر اس نے لباس تبدیل کیا کیونکہ وہ اپنی ایک شاگرد میری جالنسن کے گھر رات کے کھانے پر مدعو تھی۔ جالنسن گھرانا چونکہ قصبے سے باہر رہتا تھا اسے اسکول کی بس میں بیٹھ کر جانا تھا۔ کیٹی جالنسن بھی اسکی شاگرد تھی۔ کیٹی بیمار تھی اور چاہتی تھی کہ "استانی" اسے آ کر مل جائے۔ مسٹر جالنسن اسے واپس چھوڑ جائیں گے اور اگر بارش زیادہ ہوئی تو وہ رات کو وہیں رہیگی۔

مسز جالنسن کھانا بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ اس دوران میں ہیزل دونوں لڑکیوں اور ان کے ننھے بھائی کے ساتھ تصویریں دیکھتی رہی۔ کھانا تیار ہوا تو مسٹر جالنسن اور ان کا ملازم نلس جینسن بھی آ گئے ———

تقریباً ساری شام بارش ہوتی رہی۔ رات بھر ہیزل کو وہیں رکنا پڑا۔ کیٹی اور میری فخر سے پھولی نہیں سما رہی تھیں کیونکہ استانی آج تک کسی بچے کے گھر رات بھر نہیں رہی تھی۔

ہیزل نچلی منزل کے ایک کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی۔ باقی سب کو دوسری منزل پر سونا تھا۔

وہ یقیناً کافی دیر تک سوتی رہی ہوگی کیونکہ جب اسنے شور سنا تو اسے یوں لگ رہا تھا کہ اب پو پھوٹنے والی ہے ———

"مس میٹرؑ" کوئی اسے پکار رہا تھا۔
"کون ہے؟" وہ چونک کر اٹھی۔
"فوراً اٹھیئے اور جلدی سے کپڑے بدل لیجئے"۔ یہ مسٹر جالنور
کی آواز تھی۔
"رسوئی کے دروازے سے پانی اندر آگیا ہے۔ یہ سارا
احاطہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے"۔
پانی! تو اس میں ڈرنے کی کون سی بات تھی؟ سبھی
بارش کے خواہش مند تھے۔ تو پھر بارش ہونے پر یہ ہیجان
کیا؟ پانی سے تو کسی نقصان کا احتمال نہیں ہوتا خصوصاً جب
آپ گھر میں ہوں ——
اسے اپنے ذہن پر دھند سی چھائی ہوئی محسوس ہوئی ——
وہ اٹھی اور کپڑے بدلنے لگی۔ اسے ایک عجیب سی آواز
سنائی دی۔ شاں، شاں، شاں، واقعی کوئی گڑبڑ تھی۔ گھر میں ایسی
آواز کا کیا کام؟ اسے کچھ اور بھی آوازیں سنائی دیں۔ بچے
چیخ رہے تھے۔ ملازم آوازیں دے رہا تھا۔ اور پھر وہی
شاں، شاں!
اس نے جوتے پہنے، پھر کپڑے، ہیٹ اور کوٹ
پہنا —— شاں، شاں!
نہیں! نہیں! پانی یہاں تک نہیں آسکتا۔ خوابگاہ کے
دروازے تک پانی کیسے؟
اسے پھر آوازیں سنائی دیں۔ "مس میٹرؑ کیا آپ نے
کپڑے پہن لئے؟" بچوں نے پھر چیخنا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں پہن لئے" اس نے دروازہ کھولا۔ کیپٹل کو مسٹر جانسن نے اپنے بازوؤں پر اٹھایا ہوا تھا، مسز جانسن نے میری اور ننھے کے ہاتھوں کو تھام رکھا تھا۔ بیٹھک پانی سے بھری ہوئی تھی۔

"ہم کار میں بیٹھ کر یہاں سے نکل کیوں نہ جائیں؟" اس نے کہا۔

ہر طرف پانی ہی پانی ہے" مسٹر جانسن نے جواب دیا۔ "سڑک تو نظر ہی نہیں آتی"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپری منزل پر چلے گئے۔ کسی ایسی جگہ بیٹھنا جہاں پانی کی بجائے خشکی ہو، اسوقت بہت بھلا لگ رہا تھا۔ ملازم کمرے کی چھت کو توڑ کر اس میں شگاف بنا رہا تھا۔ کیا اس کے خیال میں ....؟

"مجھے افسوس ہے" مسٹر جانسن نے کہا۔ "بے حد افسوس ہے کہ یہ سب اسوقت ہوا جب آپ یہاں ہیں۔ اگر آپ ارونگ میں ہوٹل مس میٹر تو آپ کو اس جھمیلے میں نہ پڑنا پڑتا"

ہاں، وہ اسی رات کو یہاں کیوں آئی تھی؟ دادا ابا کہا کرتے تھے کہ کوئی نہیں جانتا کب خوش قسمتی ہماری منتظر ہوتی ہے اور کب بدقسمتی ——— اب نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن کون جانتا تھا کہ یہ آفت آئے گی؟

مسٹر جانسن زینے ہی سے واپس لوٹ آئے۔ ان کی آنکھوں میں خوف تھا اور چہرہ راکھ کی طرح سپید ہو رہا تھا۔ "پانی بہت اونچائی تک آگیا ہے"

"آپ کھڑی کیوں ہیں مس میٹر، بیٹھ جائیے" خوف

کے عالم میں مسز جانس کو اپنی مہمان کا خیال تھا۔
ہر شخص پر کیسی عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ ہیزل نے ننھے کو ایک کھلونا دیدیا اور میری کو گود میں لے لیا۔ وہ ان اجنبیوں کو اپنے بیشتر دوستوں سے بھی کہیں زیادہ اپنے قریب محسوس کر رہی تھی۔
صبح کی ملگجی سی سپیدی پھوٹ پڑی تھی۔ اگر کوئی چاہتا تو کھڑکی سے جھانک کر باہر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ لیکن کھڑکی سے جھانکنا بڑا دل گردے کا کام تھا ــــــــــ
پانی! ہر طرف سر پٹختا ہوا پانی ــــــ ہیزل نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پانی میں بہتا ہوا ایک گھوڑا زمین پر پاؤں جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر مرغیوں کا ایک ڈربہ بہتا ہوا ادھر آنکلا۔ مرغیاں ڈربے کی چھت پر بیٹھی تھیں۔
مسٹر جانس پھر زینے کی طرف گئے "خدا بچائے!" سبھی نے ان کی آواز سنی ــــ "پانی چھت تک پہنچ رہا ہے!" انہوں نے واپس بھاگتے ہوئے کہا۔
نیچے کمروں کی نسبت چھت پر کہیں زیادہ ڈر لگتا تھا۔ اوپر گہرے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے جو سر کے بالکل قریب معلوم ہوتے تھے اور نیچے ملگجا پانی سر پٹخ رہا تھا! ہیزل کا دل گھبرانے لگا۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اپنے آپ پر قابو نہیں پا رہی تھی۔ شور بھی توبہ خدا تھا۔ پانی اس قدر شور مچا رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

دیر تک اسے یوں محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز دیکھ رہی ہے، جس سے اسکا کوئی تعلق نہیں ——

نلس جینسن شگاف میں سے اوپر پہنچ گیا۔ "اگر مکان اپنی بنیاد پر کھڑا رہا ...." وہ بولا۔

اگر کھڑا رہا! مکان؟ مکان تو ہمیشہ اپنی بنیاد پر کھڑے رہتے ہیں۔ یقیناً یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا ——

سور بہتے ہوئے آرہے تھے۔ ایک چھکڑا بھی بہہ رہا تھا جس میں ایک کتا کھڑا تھا۔ اور پھر —— انہیں ایک مکان کی چھت پر ایک عورت چیختی ہوئی دکھائی دی۔ وہ ان ہی کو پکار رہی تھی۔ یہ عورت ایک ایسے مکان کی چھت پر کھڑی تھی جو اپنی بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا ——

اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ آسمان سے گرتے ہوئے پانی کے کوڑے ان کے جسموں پر برسنے لگے۔ پوری کائنات شاید پاگل ہو گئی تھی کیونکہ ہر چیز سیال مادے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ دنیا تھی ہی کہاں؟ پانی کے سوا کچھ بھی نہیں بچا تھا ——

پھر بارش بند ہو گئی۔

"تم ٹھیک ہو نا بے کی اماں؟" مسٹر جانسن نے پوچھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں"

"آپ ٹھیک ہیں نا مس میٹر؟"

"جی ہاں، شکریہ"

"کتنی بری بات ہے۔ آپ ہم لوگوں سے ملنے آئیں اور یہاں ...."

ور میں اپنے گھر جاؤں گا" ننھا مچل اٹھا۔ لڑکیاں بھی رونے لگیں ——

نلس نے ان سے مذاق کرتے ہوئے کہا "اری لڑکیو آنسو بہاکر پانی میں اضافہ مت کرو۔ یہاں پہلے ہی بہت پانی ہے"

اور پھر وہ واقعہ ہوا —— انہیں اپنے نیچے کوئی چیز ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انہیں یوں لگا جیسے کوئی چیز دائرے میں گھوم رہی ہو —— مسز جانسن ایک دلدوز چیخ کے ساتھ یوں بازو گھمانے لگی جیسے ہوا کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہو —— کیتی لڑھک کر ایک تاریک گوشہ میں جا گری —— پھر مسٹر جانسن بھی، جو میری کو تھامے ہوئے ڈکیٹی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، گر پڑے —— ہیزل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر خلا کو تکے جا رہی تھی۔ پانی کا تیز ریلا چھت کو بہائے لئے جا رہا تھا۔ ملازم نے ننھے کو اپنے بازوؤں میں لے رکھا تھا۔ وہ ہیزل کے پاس ہی کھڑا تھا ——

ہیزل جانتی تھی کہ اس سے بڑا خطرہ اب اور نہیں ہو سکتا تھا۔ خوف سے اسکا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ موت سامنے کھڑی تھی ——

ایک خطرہ اور بھی تھا۔ نلس نے اسے سمجھایا، متنبہ کیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ ممکن ہے مکان درختوں میں الجھ جائے اس سے وہ بچ سکتے تھے۔ یہ کھلی ممکن تھا کہ مکان سے درختوں

میں الجھنے سے وہ پانی میں جا گریں۔ لہٰذا جب مکان درختوں
کے قریب پہنچے تو اسے اوندھے منہ لیٹ جانا چاہئے ——
جمی کو وہ پکڑے رہے گی ——————

وہ چکر کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ کبھی وہ اسطرف
مڑ جاتے اور کبھی اسطرف ان کے ہوش ٹھکانے نہ تھے درخت
اب ان کے سامنے تھے۔ ہاتھوں کو مضبوطی سے جما کر وہ چت
لیٹ گئی۔ درختوں کی ٹہنیوں سے الجھ کر اسکا لباس تار تار ہو
گیا۔

جب چھت ہلنی بند ہوئی تو ہیزل نے سر اٹھایا۔ نلس اور جمی
بھی اس کے پاس ہی تھے۔

نلس نہایت احتیاط سے شاخوں پر چڑھ گیا تاکہ حالات کا
جائزہ لے سکے۔ کبھی کبھی وہ یوں چلاّ اٹھتا جیسے دوسرے کنارے
کسی کو بلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

ہیزل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں اس عالم میں منٹ
گذرے یا گھنٹے۔ جمی بھوک سے بے حال ہو کر چلاّ رہا تھا۔ غالباً وہ
سہ پہر کا وقت ہوگا جب نلس نے پانی کے بہاؤ کے ساتھ
ساتھ ندی کے دہانے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ آہستہ
آہستہ دائیں طرف جانا چاہتا تھا۔

"اگر میں وہاں پہنچ گیا تو تمہارے لئے مدد کا بندوبست کروں
گا۔ اگر نہ پہنچ سکا تو بھی اس سے بدتر حالات کیا ہونگے۔ جمی
کو تم سنبھالے رہوگی۔ تم بہادر لڑکی ہو۔ اگر میں وہاں نہ پہنچ سکا
اور تم بچ نکلیں تو میری ماں کو اطلاع دے دینا۔ ان کا نام مسز

کرسٹین جینیس ہے۔ دے دوگی نا ــــــــ؟"

"ضرور نلس۔ لیکن تم یقیناً پہنچ جاؤ گے۔"

"ہاں ضرور پہنچ جاؤں گا ــــــــ کون جانے۔"

"خدا حافظ نلس۔"

اور پھر نلس نیچے پانی میں غائب ہوگیا۔ کچھ دیر تک اسے اسکی آواز سنائی دیتی رہی، پھر بند ہوگئی۔

ہیزل کو اب وقت نام کی کسی چیز کا احساس نہیں تھا۔ اسے تو صرف اتنا پتہ تھا کہ اس کے ہاتھوں اور بازوؤں میں شدید درد ہے اور اسکا بھیگا ہوا جسم اب زیادہ دیر تک ان مصیبتوں کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ لیکن درخت کی شاخ کو مضبوطی سے پکڑے رہنے، دعا کرنے، ادھر ادھر کا جائزہ لینے اور سوچنے کے سوا وہ کر بھی کیا سکتی تھی ــــــــ؟

۳۹
انتالیس

بوڑھی اماں لیا نے اپنے چھوٹے سے گھر کے دروازے سے باہر جھانکا اور نیل کو دیکھا۔ "جو" اس نے آواز دی۔

یہ جاننے کے لئے کہ اسے کیا کام ہے، نیل اسکی طرف بڑھا وہ کون سا نام پکارتی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جو یا نیل جو بھی قریب ہوتا اس کے پاس پہنچ جاتا۔ کبھی کبھی وہ انہیں ایکل یا فرنٹز کہہ کر پکارتی۔

"ایک خبر سنو" وہ کہنے لگی "بارشوں کی وجہ سے بڑی آفت آئی ہے۔ دریاؤں میں باڑ آگئی ہے۔ شہروں کے شہر بہہ گئے ہیں۔"

"کہاں؟ ہانگ کانگ، چیکوسلواکیہ یا تسمانیہ میں؟" "نہیں دہیاتی ریپبلکن کی آبادی میں" ـــــ اب نیل متوجہ ہوا "کون سے شہر دادی اماں؟ ان میں اروگنگ تو نہیں؟" ـــــ "میرے خیال میں یہ بھی ہے نیل۔ اروگنگ؟ ہاں میرے خیال میں یہ بھی ہے" ـــــ نیل بڑے گھر میں چلا گیا۔ ایک عجیب سے خوف نے اسے آگھیرا جسے وہ ذہن سے جھٹک نہیں سکا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ حماقت ہے۔ دادی اماں اکثر غلطیاں کر جاتی تھی اسکے باوجود وہ ٹیلیفون کرنے گیا تاکہ معلومات حاصل کر سکے۔ ہاں، یہ خبر بالکل صحیح تھی۔ اسے تفصیلات کا علم تو نہ ہو سکا لیکن اس خبر کی تصدیق ہو گئی کہ اروگنگ ان قصبوں میں سے ایک ہے جہاں سیلاب آیا ہے۔

اس نے سیدھا لنکن کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر وہ میٹلر کے گھر گیا۔ کارٹر اور لوسی گھر پر ہی تھے۔ دونوں بے حد فکرمند تھے۔ اروگنگ سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ ایک ہوائی جہاز اخبار کے ایک نامہ نگار کو لیکر گیا تو تھا لیکن ابھی واپس نہیں لوٹا تھا۔

"ہوائی جہاز ـــــ خیال اچھا ہے" نیل نے کہا اس نے ہیزل کا وہ خط دیکھا جسمیں اس نے جانسن گھرانے کے بارے میں لکھا تھا "وہاں تو وہ دریا سے کافی دور ہو گئی ہوگی" اس نے کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جگہ دریا سے زیادہ قریب ہو" اس نے سوچا۔

جاتے ہوئے اس نے کہا "میں کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں گا اور پھر جتنی جلدی ممکن ہو سکا آپ کو اطلاع دوں گا۔"

۴۰
چالیس

مضبوطی سے درخت کو پکڑے رہنا، نہایت غور سے گرد و پیش
کا جائزہ لینا اور سوچنا ——— ہیزل کے نزدیک اب زندگی کا یہی مفہوم
تھا۔ کبھی کبھی اسے یوں لگتا کہ یہاں سے بچ نکلنا تو بہت آسان ہے لیکن
اسکے ساتھ ایک سویا ہوا بچہ بھی تو تھا۔ وہ کسی طرح بھی اسے چھوڑ کر نہیں
جا سکتی تھی۔ دور دور تک نہ تو کوئی آواز تھی اور نہ مدد کے آثار۔
——— تو نلسن وہاں تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ بے چارہ نلسن ———
پانی کے اس طویل و عریض بیاباں میں، جہاں قبرستان ایسا سناٹا
تھا، اسکا خوف سے دم نکلا جا رہا تھا۔ امید ٹوٹتی جا رہی تھی اور اسکے
ساتھ ہی اسکا ذہن بھی ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ چلا اٹھی۔ اسکی آواز سنکر
ننھا بچہ بھی رونے لگا۔ وہ اپنا خوف بھول کر اسے دلاسہ دینے لگی۔
رات اب آنے ہی والی تھی اور رات کا مطلب تھا موت ———
——— وہ زندگی کے بارے سوچنے لگی، اس زندگی کے بارے میں جو
اس نے اب تک دیکھی تھی بدترین دور میں بھی یہ کتنی دلکش رہی تھی۔
اسکے دل میں ان تین شخصیتوں کیلئے ہمدردی کا جذبہ امڈ آیا جو اسے
سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ اسکی ماں، اس کا باپ اور رائیل ———
اسکا اور نیل کا کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ وہ بات اتنی معمولی تھی کہ
اب اسے یاد بھی نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار ان تینوں کو یاد کرتی رہی۔
اسنے اپنا سر اپنے بازو پر گرا دیا۔ اسکا درد اب بہت بڑھ گیا تھا۔
اسکے جسم میں خون کا دورہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا ———

اس نے سر اٹھایا اور پھر دفعتاً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ کسی ہوائی جہاز کی آواز سن کر چونکی تھی جو بہت نیچے اڑ رہا تھا۔ یہ ہوائی جہاز سیلاب کے پانی کے اوپر چکر کاٹ رہا تھا۔ چوڑے پیروں والا یہ بہت بڑا پرندہ اسکے لیے امید کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے ہاتھ ہلایا، آوازیں دیں، چلا چلا کر پکارتی رہی۔ جمی نے بھی اسکی آواز میں آواز ملائی۔ انہوں نے ضرور اسے دیکھ لیا ہوگا کیونکہ ہوائی جہاز اسکے عین اوپر پورا چکر کاٹ کر نہایت سرعت سے غائب ہو گیا۔

ہیزل کو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

بالآخر اسے دو کشتیاں آتی دکھائی دیں۔

"ڈیڈی آرہے ہیں" جمی نے کہا

"نہیں جمی۔ اچھا یہ بتاؤ تمہاری دادی زندہ ہے؟ تمہاری کوئی چچی بھی ہے؟"

"ہاں میری دادی جانسن ہیں، نانی سینفل ہیں، چچی کیلی ہیں اور اندر بھی ....."

ہیزل نے اسے چوم لیا "میں بہت خوش ہوں جمی ..... بہت خوش ..... اتنی خوش کہ تمہیں اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا"

پہلی کشتی ان کے پاس پہنچ کر رک گئی "تو تم وہاں پہنچ گئے تھے۔ نلس! اور تم واپس بھی آگئے تم کتنے اچھے ہو" نہایت احتیاط سے انہوں نے جمی کو کشتی چڑھا لیا۔

پھر دوسری کشتی بھی آگئی۔

"نیل ———"

"سیاہ چمکدار بالوں والی گڑیا"

"تو ہوائی جہاز میں تم ہی تھے نیل؟"

"ہاں" اب ہیزل بھی کشتی میں سوار ہو چکی تھی۔ ہیزل رو رہی تھی ۔۔۔ اس سے پہلے نیل نے اس ہیزل کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ وہ لڑکی تھی جس نے موت کے بہیانک خدوخال کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔ نیل کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے اور زیادہ قریب آگئی ہے۔ شفقت اور انسانی دوستی اب اسمیں پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ اسے انھیں خوبیوں کی وجہ سے پیار کرتا تھا۔ جب وہ ساحل پر پہنچے جہاں لوگ کمبل اور کافی لیئے ان کے منتظر تھے تو ہیزل بولی "نیل ہم ٹلسن کو اپنے یہاں ملازم رکھ لیں گے"۔۔۔ "تمہارا مطلب ہے میری وکالت کے دفتر کے لیئے؟"

"نہیں، ہمارے فارم کے لیئے"

۴۱
اکتالیس

گرمیوں کے آغاز میں نیل ہیزل کو اپنے گھر لے گیا تاکہ اسے اپنے خاندان کے افراد سے ملا سکے۔ اور وہ جگہ دکھا سکے جہاں اسے زندگی گذاری تھی۔ ہیزل نے احاطہ اور اس میں اگے ہوئے بڑے بڑے درخت دیکھے، پتھروں والا پرانا مکان دیکھا جسے فرنٹز اور ایمل نے برسوں پہلے تعمیر کیا تھا۔ اس خوبصورت مکان کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔ وہ نیل کے دادا اور اسکی ماں سے ملی۔ اسے

والد کے فطری وقار اور متانت نے فوراً ہی اسے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ لیکن اسکی ماں اسے کچھ زیادہ متاثر نہ کر سکی۔

سہ پہر کے آخری حصے میں نیل اسے اپنی پردادی سے ملانے لے گیا۔ وہ ہیزل کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس ماڈرن لڑکی کو، جسکی دادی بالکل مخالف قسم کی عورت تھی، بوڑھی امالیا کے بارے میں پہلے ہی سے بتانا چاہتا تھا — "وہ بہت بوڑھی ہو گئی ہے۔ کم از کم اسّی برس کی ہو گی۔ جو بھی اسے پہلی بار دیکھے گا وہ اسے بڑی مضحکہ خیز سی لگے گی۔ بغیر دانتوں کا، ماہ و سال کی انگنت جھریوں والا چہرہ — لیکن وہ مجھ پر بڑی مہربان رہی ہے میں اسے اسطرح دیکھ ہی نہیں سکتا جسطرح وہ دوسروں کو نظر آتی ہو گی"

پہلی بار ہیزل کو یوں لگا جیسے نیل ننھا سا بچہ ہو۔ "وہ مجھے یقیناً اچھی لگیں گی نیل"

پگڈنڈی پر چلتا ہوا نیل رک گیا۔ اس نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی — بوڑھی امالیا بیٹھک میں بیٹھی تھی۔ ہیزل کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فلم کا کوئی منظر دیکھ رہی ہو۔ شب بخیر اور صبح بخیر والی تصویریں جن میں ننھی سی گول مٹول لڑکیاں بالوں میں پھول سجائے ہوئے تھیں۔ نیلے رنگ کی پلیٹیں، چمکدار نئی چادر اور بوڑھی امالیا — وہ سلائی کر رہی تھی —

"پیلو دادی اماں، آپ نے پہچانا مجھے؟"

"ہاں، تم جو ہو"

"نہیں، میں نیل ہوں"

"ارے نیل تم تو بہت بڑے ہوتے جا رہے ہو۔ اور یہ

کون ہے ؟"

"یہ .... یہ .... یہ ہیزل ہے" ہیزل کو کھینچ کر آگے
کرتے ہوئے اس نے کہا "یہ میری منگیتر ہے، میری اس سے
شادی ہونے والی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا"

بوڑھی امالیا نے اپنا بھورے رنگ کا ننھا سا ہاتھ مصافحے
کے لیے آگے بڑھایا۔ "معاف کرنا میں ہمیشہ بھول جاتی ہوں"
دور کی بات تو یاد رہتی ہے اور کل کی باتیں بھول جاتی ہوں"

دفعتاً ہیزل کے دل میں اس بھورے رنگ کی گڑیا سی عورت
کے لیے ہمدردی کا ریلا امڈ آیا۔ "نیل نے مجھے آپ کے متعلق
بہت کچھ بتایا ہے"

"نیل بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم بھی بڑی اچھی بیوی ثابت
ہوگی۔ ہے نا ؟"

"جی امید تو ہے"

"تمہارا نام ہیزل ہے نا ؟" بوڑھی امالیا نے پوچھا۔

"ہیزل میٹر" نیل نے جواب دیا "ان کے والد کارٹر
میٹر سیدارسٹی میں بنک کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے دادا
کا نام متھیاس میٹر تھا۔"

"متھیاس میٹر ؟ امالیا الجھ سی گئی "کیا وہ کبھی آئے ہیں ؟"

"نہیں دادی اماں ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کو یاد
نہیں کیا ؟ آپ جنازے میں شامل ہونا چاہتی تھیں لیکن ڈیڈی کا
خیال تھا کہ وہ جگہ بہت دور ہے"

"ہاں مجھے یاد آیا۔ میں ہمیشہ بھول جاتی ہوں اور پھر

اور پھر سب کچھ یاد آجاتا ہے۔ البتہ ایک بات مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے۔۔۔
۔۔۔ بہار آگئی ہے ۔۔۔۔۔۔ بہار آگئی ۔۔۔۔۔"

"یہ تو ایک نظم سی ہے۔ مجھے یاد ہے۔" ہیزل نے کہا۔

"میرے الجھے اور گدلے ذہن پر
نقش ہے واضح مگر اک بات کا
آگئی آخر بہار جاوداں
آگئی آخر بہار جاوداں
چہکی بلبل گیت یہ گاتی رہی۔"

"لڑکی پسند آئی دادی اماں؟" نیل نے پوچھا

بوڑھی عورت نے اپنا چھوٹا سا مجبور ہاتھ آگے بڑھایا اور لڑکی کے سپید، مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا۔ "ننھی فاختہ ہے" وہ بڑبڑائی "ہیزل ہیٹر" پھر اس نے یوں سر ہلایا جیسے اسے کوئی بہت پرانی، بڑی دانشمندانہ بات سمجھ میں آگئی ہو۔ "تو یہ یوں ہوگا"

"کچھ ایسی بات کہئے دادی اماں جو دل کو گرمادے۔"

"میں جرمن زبان میں اس سے کہہ رہی ہوں نیل، اش لیبے دش۔"

امالیا انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ دراز قد، صحتمند اور نوجوان ——— اسے اس بات کے متعلق بڑے غور سے سوچنا تھا تاکہ اسے یقین ہو سکے کہ وہ ٹھیک ہی سمجھی تھی۔ یہ جاننا بڑا مشکل ہوتا ہے کہ کیا حقیقت ہے اور کیا محض خواب ——— خدا کرے یہ حقیقت ہو اور اسکا سلسلہ بھی خوابوں سے نہ جا ملے۔

دفعتاً اسے یاد آیا کہ اسے ایک کام کرنا ہے اور اب جبکہ یہ اسے یاد آگیا تھا وہ اسے فوراً کر لینا چاہتی تھی ——— اپنی خوابگاہ میں جاکر اس نے ایک

چیز نکالی جو ایک بہت پرانے سے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ کپڑے اتار کر اس نے ایک صندوقچہ نکالا جس میں گھونگے لگے ہوئے تھے۔ یہ گھونگے کسی سمندر سے نکالے گئے تھے جو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ڈھیلے پڑ چکے تھے اور کہیں کہیں سے ٹوٹ بھی گئے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے صندوقچہ کا ڈھکنا کھولا اور پیوند بنانے کیلئے کپڑے کے دو ٹکڑے نکالے۔ پرانی سوئی ہاتھ لگاتے ہی ٹوٹ گئی۔ اس نے نئی سوئی نکالی۔

اس خیال کو، جو اسکے ذہن میں ابھرا تھا، مقید کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے وہ اپنی کرسی کیطرف واپس مڑی اور پھر اسپر بیٹھ کر شجرِ حیات کے نمونے والی چادر مکمل کرنے میں منہمک ہو گئی۔

۴۲
بیالیس

اگست میں گیہوں کی کٹائی کے بعد نیل اور ہیزل کی شادی ہو گئی۔ شادی میں بس چند لوگوں نے شرکت کی۔ ان میں سے ایک بوڑھی دادی ہومز ڈالر تھی جو اپنا نام بدل کر ہومز کہلانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

کالڈ ہیزل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا کہ انہوں نے اس بچی کو ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے پہلی بار چلتے دیکھا تھا۔ انکی چاق و چوبند اور ہمیشہ خوش

رہنے والی ننھی بچی! اب اسکی زندگی کیا ہوگی؟ اس سے جہاں تک بن پڑا وہ اسے ہر آفت سے بچائے گا۔

جنہ ہومز سوچ رہا تھا: "تم غلطیاں نہیں کروگے نیل، تم اور ہی قسم کے آدمی ہو۔"

لوسی سوچ رہی تھی: "مجھے رونا نہیں چاہئے۔ میں خوش ہوں بے حد خوش ہوں ——— لیکن نہیں میں خوش نہیں ہوں ——— میں پھر سے جوان ہونا چاہتی ہوں، اپنی اسی ننھی سی بچی کو گود میں لینا چاہتی ہوں۔"

مارلی سوچ رہی تھی: "اب یہ میری پروا نہیں کیا کریگا۔ اس کی تمام تر توجہ اب اسی پر مرکوز ہوکر رہ جائے گی۔"

بوڑھی امالیا ہومز ڈارفر نہ نیل کے بارے میں سوچ رہی اور نہ ہیزل کے بارے میں ——— اس کی نگاہیں کمرے سے پرے کارنر میز پر گڑی ہوئی تھیں اور اسکے خیالات بری طرح سے ایکدوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے ——— "تو یہ ہے تمہارا بیٹا ملیتیاس ——— یہ تمہاری طرح دراز قد بھی نہیں اور اس کے بال بھی سفید ہیں جبکہ تمہارے بال سفید نہیں ہیں ——— ہاں اگر تم نے اکیس برس سے زیادہ عمر پائی ہوگی تو شاید تم بھی ایک وقت ایسے ہی لگنے لگے ہوگے ———"

تینتالیس ۴۳

بعض حضرات ہیزل میڈا اور نیل ہومز کی شادی کو اس کہانی کا انجام سمجھیں گے ـــــ لیکن یہ کہنا کہ کہانی ختم ہو گئی، درست نہیں ہو گا کیونکہ کوئی کہانی اپنے آپ میں مکمل نہیں ہوتی۔ حقیقی معنوں میں نہ تو کسی خاندان کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور نہ انجام ـــــ کہانیاں تو کتاب زندگی کا فقط ایک باب ہوتی ہیں ـــــــــ

یہ واقعی عجیب بات تھی کہ ہیزل بھی اپنی شادی شدہ زندگی کا آغاز وہیں کر رہی تھی جہاں بوڑھی امالیا نے معافی دار کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی تھی۔ لیکن اسکی زندگی میں اور ہیزل کی زندگی میں دو بہت بڑے فرق تھے۔ ایک تو یہ کہ اب وہاں چاروں طرف جدید طرز کی خوبصورت عمارتیں تھیں اور دوسرا یہ کہ ہیزل اپنے نوجوان شوہر سے محبت کرتی تھی ـــــــ

نوجوان امالیا کی طرح ہیزل بھی کام میں جت گئی۔ وہ تندرست و توانا تھی۔ وہ بے حد محنت کر رہی تھی اور کچھ بھی ضائع نہیں ہونے دیتی تھی۔ کسی بھی چیز کو بے کار سمجھ کر نہیں پھینکا جاتا تھا۔ جو اور مارٹی آمالیا کے ساتھ چھوٹے مکان میں رہنے لگے تھے۔ لیکن اس ستمبر کی ایک صبح کو مارٹی انکے یہاں آئی ـــــ وہ بولی۔ میں تم سے ایک بہت اہم بات کرنے آئی ہوں۔ میری زندگی بڑی دشوار گذر رہی ہے ہیزل۔ لیکن ہم اس مسئلے پر بات نہیں

کریں گے ۔ میرا شوہر عورت کی امیدوں اور اسکے خوابوں کو نہیں سمجھا سکتا ۔ جس کام کیلئے میں تمہارے پاس آئی تھی وہ یہ ہے کہ ــــ کیا تم دادی اماں کو اپنے یہاں رکھ لوگی ؟"

"آپ کا مطلب ہے ہمیشہ کیلئے ؟" یہ تو بڑی نامناسب سی بات لگی تھی ۔ نیل آور وہ اتنے کم عمر تھے ۔ دادی اماں بہت بوڑھی اور طفل مزاج تھی ــــ "ہاں ، اگر تم اس پر آمادہ ہو جاؤ ہیزل اور وعدہ کرو کہ نیل یا اسکے والد کو کبھی علم نہ ہوگا کہ یہ بات میں نے کہی تھی ــــ مرد ان باتوں کو نہیں سمجھتے ۔ میں نے دادی اماں سے بھی اسکے متعلق بات کی تھی ۔" ــــ "تو انہوں نے کیا جواب دیا ؟"

"وہ بولی ، جب تم میری عمر کو پہنچو گی ماریل تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس عمر میں کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔"

کئی گھنٹے تک ہیزل اسکے متعلق سوچتی رہی ۔ اسے یہ بھی خیال آرہا تھا کہ نیل کی ماں کس ہوشیاری سے اپنی بات منوالیتی ہے ۔ میٹھی میٹھی باتیں ، خوشگوار انداز اور بچوں ایسا اصرار ــــ "اور کچھ ہی عرصے بعد جب دادی اماں ہوا مر جائیں گی" ہیزل نے سوچا "تو سب سے زیادہ اماں ہو صرہی رو دیں بیٹھیں گی ۔"

سہ پہر تک ہیزل جواب دینے کیلئے تیار ہو چکی تھی ۔ دادی اماں کے جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہیئے ۔ لہٰذا وہ گھاس دار پیڑی پر چلتی ہوئی چھوٹے مکان میں چلی گئی ــــ "آپ ہمارے ساتھ بڑے گھر میں رہنا پسند کریں گی دادی اماں ؟" ــــ بوڑھی امالیا نے سر اٹھایا ۔ اسکی زرد زرد سی نیلی آنکھوں میں آنسو تھے ۔

"بہت دن زندہ رہنا بھی اچھا نہیں ہوتا ہیزل ۔"

"لیکن آپکی عمر تو ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی - نیلی آدر ہمیں چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آجائیں - ہمیں سدنی سوان سی خیالکا اچھی نہیں لگتی - اس خاندان کو ایک چھوٹی سی بوڑھی جرمن دادی اماں اور اسکے سایہ ان کی ضرورت ہے تاکہ یہ اجاڑ کمرے بھی گھر بن کا ایک حصہ نظر آئے" ——— اور یوں بوڑھی اماں پتھر کے مکان والے مکان میں آ گئی ——— ایک چھریرے سے قد کی بوڑھی عورت جسے جیتے جیتے طویل عرصہ گذر گیا تھا اپنے مختصر سے اثاثہ کیساتھ وہاں منتقل ہو گئی ——— پرانے کمبل، تصویریں اور ایک سینے پرونے کے کام کا صندوقچہ جسکے کھونٹے ٹوٹ چکے تھے، اسکی کل کائنات یہی تھی

آپ ایک بات اور بھی جاننا چاہیں گے - کیا کبھی ہیزل کو اس بات کا علم ہوا کہ بوڑھی دادی اماں وہی عورت تھی جسکے ساتھ اسکے دادا نے جوانی میں عشق کیا تھا؟ ہاں ہوا - نیلی اور ہیزل کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا - ورنہ وہ اس کہانی کے ٹکڑوں میں ربط کیسے پیدا کر لیتے اور انہیں ان عجیب و غریب حالات کا علم کیسے ہوتا جنہوں نے ان دو گھرانوں کی راہیں ایک دوسرے سے جا ملیں ———

ایک صبح ہوا میں خزاں کی مخصوص باس رچی ہوئی تھی - ہیزل جو سڑک پر لگے ہوئے لیٹر بکس میں خط ڈالنے جا رہی تھی اٹک کر سامنے پھیلے ہوئے منظر کو دیکھنے لگی - دور تک پھیلی ہوئی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ جو کہیں تو تازہ جتی ہوئی زمین کی وجہ سے سیاہ نظر آتا تھا، کہیں جوار کے کھیتوں کی وجہ سے بھورا اور کہیں گیہوں کی نوخیز کونپلوں کی وجہ سے سبز ——— اس

اس صبح اسے اپنے اندر بے پناہ قوت کا احساس ہو رہا تھا -

آج وہ کم از کم ایک درجن کام نبٹا دینا چاہتی تھی جو اسے کرنے تھے۔ گھر کی صفائی، کھانا بنانا اور سلائی کڑھائی وغیرہ ——
جانے کچھ لوگ کاہلی سے کیسے محظوظ ہوتے ہیں؟ اس نے خط لیٹر بکس میں ڈالے اور واپس گھر چل پڑی۔
صابن بنانے والی کیتلی کے پاس پہنچکر وہ رک گئی۔ صابن بھی کیوں نہ بنایا جائے؟ اور پھر فوراً ہی وہ لوہے کی کیتلی پر جھکی اسے صاف کر رہی تھی۔
دادی اماں نے دروازے پر آکر اسے دیکھا۔
"یہ تم کیا کر رہی ہو ہیزل؟"
"صابن بنانے کا ارادہ ہے۔"
"صابن —— تو کیا بہار آگئی؟"
"نہیں دادی اماں یہ تو خزاں ہے۔"
یہ سن کر بوڑھی عورت برساتی میں آگئی۔ وہ بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی —— "ہوا میں بہار کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔" اس نے اونچی آواز سے کہا "کیا مرغزار میں لوے چہک رہے ہیں؟"
"نہیں، اب مرغزاری لوؤں کا موسم کہاں ہے؟"
بوڑھی امالیا اس کی بات سن کر مسکرائی "مجھے تو مرغزاری لوؤں کا گیت سنائی دے رہا ہے۔"
ہیزل جانتی تھی کہ بوڑھی امالیا کو ان مرغزاری لوؤں کے گیت سنائی دے رہے تھے جو مدتوں پہلے ابدی نیند سو گئے تھے ——

عین اسی وقت نیل بھی ایک سور کے پیچھے بھاگتا ہوا وہاں آن پہنچا۔ دونوں ایک دوسرے کو آواز دے کر ہنسنے لگے پھر ہیزل پانی گرم کرنے کے لیے رسوئی کی طرف چل دی۔ جب وہ امالیا کے پاس سے گزری تو بوڑھی عورت نے کہا ––
" برسوں سے اس کیتلی میں کسی نے صابن نہیں بنایا " پھر اس نے اس جملے کا اضافہ کیا –– " جانتی ہو ہیزل کہ یہ کیتلی میں الی نائیس سے اپنے ساتھ لائی تھی ؟ "
" ہاں جانتی ہوں "
" لیکن اس کیتلی کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی ہیں جو تم نہیں جانتی " اس نے بھوں کیطرح سر ہلاتے ہوئے کہا۔
لو بھی اس پرانی کیتلی کے بارے میں بھلا ہیزل کیسے جان سکتی تھی! وہ کیتلی کو صاف کرنے میں لگ گئی۔ بوڑھی امالیا ابھی تک برساتی میں کھڑی تھی۔ پھر نیل واپس آ گیا۔
پھر دفعتاً امالیا نے بلند آواز سے کہا: " میتھیاس میٹر! اسکا نام میتھیاس میٹر تھا "
ہیزل نے چونک کر سر اٹھایا " آپ نے کیا کہا دادی اماں؟ "
" میتھیاس میٹر۔ اسی نے یہ کیتلی میرے لیئے بنائی تھی۔ ادھر آؤ ہیزل میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ اتوار کی سہ پہر کو جنگل میں صابن بنانے والی کیتلی کے پاس میں اس سے ملتی ہوں –– میرے والد اس وقت سوتے ہیں نا –––––– "
ہیزل اس اگلے وقتوں کی عورت کو تکنے لگی۔ " تم نے سنا نیل؟

میرے دادا الی نائیسر کے رہنے والے تھے۔ وہ کیتلیاں بنانے کا کام کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ مغرب میں اسلئے آئے تھے کہ انکی پہلی محبوبہ نے کسی اور کیساتھ شادی کرلی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ لڑکی بڑی حسین تھی۔" پھر اس نے سرگوشی کے لہجے میں اپنی بات مکمل کی "اور اسکا نام امالیا تھا" ——— اس نے اپنا ہاتھ نیل کے ہاتھ میں دیدیا۔ دونوں اس چھوٹے سے قد کی بوڑھی عورت کو دیکھنے لگے۔ بہرحال بولی "یہی مناسب ہوگا کہ ہم بہار کے ان لمحوں کو جو ہماری محبت کے امین ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے دلمیں محفوظ کرکے صبر کرلیں" نیل نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے لیکن اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھکر اسنے اپنا بازو اسکی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ ——— کچھ دیر تک وہ سبکے سب یونہی کھڑے رہے بے حس و حرکت، گم سم سے۔ وہ ایک ایسے غیر معمولی لمحے کی گرفت میں تھے جہاں زندگی حیران سی ہو کر ٹھٹک جاتی ہے۔ وہ نوجوان شیدائی، ایک بوڑھی لمبے قد بوڑھی عورت اور سال ہا سال پرانی لوہے کی کیتلی جسکی تاریخ ان سبکی تاریخ تھی ——— لیکن بوڑھی امالیا تو وہ بات بھول بھی چکی تھی جو اسے ابھی ابھی یاد آئی تھی "مرغزاری لوٹے چہک رہے ہیں" اس نے اپنی اونچی آواز میں کہا "اور ہوا میں بہار کی خوشبو رچی ہوئی ہے"

کتبہ
نعیمہ اقبال شیرکوٹی
۸۲۱ نئی بستی باڑہ ہندو راؤ دہلی ۶